قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ (القرآن الکریم)

1995 مئی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور ۵۴۷۷۰

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

تصوّف کیا نہیں؟

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے، نہ دُنیا کے کاروبار میں ترقّی دِلانے کا نام تصوّف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دُور کرنے کا نام تصوّف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کُشا اور حاجت رَوا سمجھنا تصوّف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مُرید کی پُوری اِصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دَولت بغیر مجاہدہ اور بِدُون اِتباعِ سُنّت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اُترنا لازمی ہے اور نہ وَجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوفِ اسلامی کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اِسلامی تصوف کی عین ضِد ہیں۔

(دلائل السُّلوک)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ المرشد لاہور

جلد : ۱۶ ذیقعد ۱۴۱۵ھ بمطابق مئی 1995ء شمارہ ۱۰

فہرست مضامین

اداریہ ۳

ذکر فرض ہے ۴

ابلیس کے پجاری ۱۳

کفرگڑھ میں ذکر کی برکات ۲۰

انقلاب کا نبوی طریق کار ۲۳

میری تنہا پرواز ۳۲

حضرت امام شامل رحمۃ اللہ علیہ ۳۶

ایک نومسلم کے بارے میں ۴۰

بدل اشتراک

تاحیات: ۲۰۰۰ روپے

فی پرچہ بارہ روپے

سالانہ: ۱۵۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ — تاحیات

سری لنکا - بھارت - بنگلہ دیش

۳۰۰ روپے ۳۰۰۰ روپے

مشرق وسطی کے ممالک : ——

۵۰ سعودی ریال ۳۵۰ سعودی ریال

برطانیہ اور یورپ : ——

۲۰ سٹرلنگ پونڈ ۱۰۰ سٹرلنگ پونڈ

امریکہ و کینیڈا : ——

۳۵ امریکن ڈالر ۲۰۰ امریکن ڈالر

پتہ : ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی - کالج روڈ - ٹاؤن شپ لاہور فون : 5115086

ناشر : پروفیسر حافظ عبدالرزاق پرنٹرز : انتخاب جدید پریس لاہور Phones: 6314365-6368369

ماہنامہ **المرشد** کے

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مُجدّدِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (اسلامیات) ایم اے (عربی)

ناظر اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

یہ بالکل سچ ہے کہ اس سرزمین پاک سے جھوٹ اٹھ چکا ہے۔ ہمارے حکمران' سیاستدان' مذہبی راہنما' پیر' فقیر سب سچ کہنے کے عادی ہیں۔ عوام نے ان کے سچ کو قبول کر لیا ہے اور کر رہے ہیں۔ یہ ملک جو اپنی نصف صدی کی عمر میں نصف صدی کے لگ بھگ گورنر جنرل' صدر' شہنشاہان مارشل لاء' وزرائے اعظم اور انڈر نیکر وزرائے اعظم دیکھ چکا ہے۔ ہر ایک کی سچائی کی معمولی سی مثالیں ملاحظہ کیجئے۔ ہر سربراہ حکومت نے دعوی کیا کہ وہ خواندگی کی شرح ۷۰ یا ۸۰ فی صد تک بڑھانے کے لئے اربوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ اور اربوں روپے خرچ کر کے دکھا دیئے۔ مگر اس وطن کی خواندگی اتنی ہڈ حرام ہے کہ ایک قدم آگے نہ بڑھائے تو اس میں کسی سربراہ حکومت کا کیا قصور۔ آبادی کو بڑھنے سے روکنے کے لئے ہر حکومت نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور لگا رہی ہے' بے دریغ ملکی وسائل صرف کرنے کے علاوہ اربوں کھربوں ڈالر کے غیر ملکی قرضے لے کر لگا دیئے۔ یہی ان کے بس میں تھا جو کر دیا اور کر رہے ہیں۔ مگر اس ملک کے عوام ایسے بے لحاظے ہیں کہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتے اور بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

"کلاشنکوف کلچر" آیا۔ اس کے خاتمے کے لئے پولیس اور سیکورٹی فورسز کی تعداد ہماری فوج کے برابر آگئی۔ ایک ناپسندیدہ کلچر کو ختم کرنے کے لئے خرچہ تو کرنا پڑتا ہے۔ آخر کلچر ختم ہو ہی گیا۔ بھئی رہ گیا کلاشنکوف۔ وہ دہشت گردوں نے دہشت گردی کرنے کے لئے اچک لیا۔ دہشت گردی کے خلاف حکومت کی مخلصانہ کوشش جاری ہے۔ دہشت گردوں سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں حکومت مخلص ہے ان کو منا لے گی۔ مگر یہ بنیاد پرستوں کا خوف! یہ نیا درد سر کہاں سے پیدا ہو گیا۔ ڈرنے کی ایسی کوئی بات نہیں۔ حکومت تنہا نہیں۔ انکل سام کو مدد کی درخواست بھیج دی گئی۔ جو قبول ہو چکی ہے اور ہماری سربراہ حکومت مدد لینے امریکہ پہنچ چکی ہیں اور یہ تحریر پڑھنے تک بنیاد پرستوں کے خلاف امدادی کمک لے کر واپس آچکی ہوں گی۔ ویسے اس دیس کے اکثر بنیاد پرست سرپرست طبع کے واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ مسئلہ جلد ہی حکومت کی سرپرستی سے حل ہو جائے گا۔ باقی رہ گئے دو مسئلے۔ کشمیر اور کراچی۔ ہماری حکومت سچی ہے۔ کشمیریوں کو بھارت کے ظلم سے آزاد کروا کر اپنے زیر سایہ لانا بہت ضروری ہے تاکہ کشمیری یہاں امن' سکون' خوشحالی اور تحفظ کے وہ سارے مزے لوٹ سکیں۔ جو ہم لوگ لوٹ رہے ہیں۔ کراچی کا مسئلہ جوں کا توں چلتا رہنا چاہیے۔ اسی میں ملک و قوم کی بہتری ہے۔ اور کچھ نہ سہی ملک کی آبادی کی شرح بڑھنے سے شاید رک جائے اور باقی ملک کے لئے کراچی ایسا ماڈل بنا رہے کہ حکومت اپنی عوام کو جو امن اور تحفظ فراہم کر رہی ہے اس کی قدر سمجھ سکیں۔

تاج رحیم

ذکر فرض ہے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

دراصل دین کا راستہ اتنا سہل نہیں ہے جتنا ہم اندازہ کر لیتے ہیں ہمارا ایک تصور بن جاتا ہے کہ میں نمازیں پڑھتا ہوں میں روزے رکھتا ہوں ہر بندے کو میری عزت کرنی چاہیے۔ ہر بندے کو میرا احترام کرنا چاہیے۔ مجھے کوئی بیماری نہیں آنی چاہیے۔ میری صحت ٹھیک ہونی چاہیے۔ میرے مال میں بڑی برکت ہونی چاہیے۔ اگلے دن بھی ایک ساتھی مجھ سے کہہ رہا تھا جی میں تہجد بھی پڑھتا ہوں بیوی بھی تہجد پڑھتی ہے۔ عبادت بھی کرتے ہیں لیکن کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ اب عبادت کا اور کاروبار کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ کاروبار کرنے کا اپنا ایک طریقہ ہے کوئی انداز ہے ممکن ہے آپ سے کہیں کوئی غلطی ہو رہی ہو تو وہ نفلوں سے تو پوری نہیں ہو گی۔ اسے تو اس اندازے سے جانچیں کہ کہاں قصور ہے کہاں غلطی ہے۔ سب سے مشکل جو پیش آتی ہے دین میں وہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو آتی ہے کہ وہ ایک نیا راستہ بتاتے ہیں پورے معاشرے کے مقابلے میں باطل اور کافر معاشرے کے مقابلے میں تو انہیں بہت زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد پندرہویں صدی ہجری میں بھی اگر ہمیں دین پر عمل کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ لوگ مذاق اڑائیں گے تو جب دنیا میں دین کا نام ہی نہ تھا تو جنہوں نے دین پر عمل کیا ان کے ساتھ کیا کیا نہ ہوا ہو گا۔

ایک عجیب رواج تھا مشرکین عرب میں کہ وہ کسی کو منہ بولا بیٹا یا متبنیٰ بنا لیتے تھے اس بیٹے کو وہ سارے حقوق دیتے جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں۔ جائیداد میں وہ وراثت پاتا حقیقی بیٹا جن محارم سے نکاح نہیں کر سکتا اس سے ان کا نکاح نہ کیا جاتا اسی طرح جو اس کی بیوی تھی یا اس کی اولاد کے جو حقوق حقیقی بیٹے کی طرح سمجھے جاتے۔ اللہ کریم نے اس سے منع فرما دیا۔ حضرت زیدؓ بن حارث کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبنیٰ بنایا انہیں قبل بعثت زید بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا تھا لیکن اللہ کریم نے منع کر دیا۔ فرمایا کہ جو جس کا بیٹا ہے اس کے نام سے پکارا جائے۔ یہ بات آج بھی ہم میں موجود ہے کہ اگر کسی کی اولاد نہ ہو تو ہم بچے ADAPT کرتے ہیں اور پھر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں کو ان کا ماضی نہ بتایا جائے کہ وہ کس کی اولاد ہیں۔ یہ پتہ نہ چلے اور انہیں اپنا بیٹا ظاہر کیا جائے۔ یہ درست نہیں ہے بچے پالنا منع نہیں ہے اگر کسی کی اولاد نہیں، کسی کا بچہ پال لیتا ہے تو اچھی بات ہے لیکن اس بچے کو اس کا بیک گراؤنڈ اس کے والدین اس کے باپ کے نام سے ہی پکارا جائے۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے کہ خدایا تو نے بچہ تو نہیں دیا لیکن میں نے یہ خرید لیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر اللہ نے نہیں دیا تو بچے

کا نہ ہونا ہی بہتر ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رب نے نہیں دیا تو اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے اس کے باوجود اگر کوئی شوق سے پالتا ہے تو جانوروں کے بچے پالنا منع نہیں ہے تو انسان کے بچے پالنا کون سا منع ہے۔ کئی بے بس غریب یا کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں لیکن اسے اس کے والدین کا بچہ سمجھ کر ہی پالا جائے۔ جتنی شفقت کریں جتنا پیار کریں وہ الگ بات ہے۔

حضرت زید غلام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید کر آزاد کئے اور متبنی بنائے۔ جب وہ جوان ہوئے تو سگی پھوپھی کا رشتہ مانگا ان کے لئے۔ اب یہ ایک دوسری کاری ضرب تھی کہ روساء مکہ اور پھر قریش مکہ کی بیٹی ہو اور کسی غلام زادے کو یا کسی غلام کو بیاہی جائے یہاں کفو کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے کہ غیر کفو میں نکاح بڑا شور کرتے ہیں تو عموماً" یہ ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے کہ سید خاتون کا غیر سیدوں میں نکاح نہیں ہوتا یہ سارے افسانے ہیں۔ مسلمان سارے مسلمان ہیں۔ ہر مسلمان عورت ہر مسلمان مرد کا سوائے حرمت شرعی کے نکاح جائز ہے جہاں نہیں ہوتا وہاں شرعی حرمت ہے۔ بہن سے بیوی کی بہن سے اس طرح جو محارم شرعی ہیں ان میں نہیں ہوتا ورنہ کفو کا لحاظ صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ہر سطح کے لوگوں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اب اگر کوئی امیر خاندان کسی غریب خاندان میں رشتہ دیں گے تو شاید وہ وہاں آسانی سے اپنے آپ کو ADJUST نہ کر سکے ان میں گھل مل نہ سکے اور اگر برابر کے خاندان میں دیں گے تو بچی کے لئے بھی رہنا آسان ہو گا ان کے لئے اسے قبول کرنا آسان ہو جائے گا اس سہولت کے لئے بہتر یہ ہے کہ رشتہ کفو میں کیا جائے ورنہ رشتے کے لئے محض اسلام شرط ہے اور حرمت شرعی نہ ہو تو جائز ہے۔

سب سے بڑی سید زادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں تھیں اور سید وہ لوگ کہلائے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی اولاد تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے خاوند۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نہیں تھے وہ تو سید نہیں تھے تو سب سے پہلی سید زادیاں غیر سیدوں سے بیاہی گئیں تو وہیں جھگڑا ختم ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ایک غلام کے نکاح میں آ گئیں تو کفو کا جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ وہ جو ایک رعونت تھی بڑائی والی اور فرعونیت والی اور غریب کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا اس پر کاری ضرب لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی نے اس بہن نے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشتہ مانگا۔ پسند تو نہ فرمایا لیکن منشا نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ہم یہ قربانی کریں گے رشتہ ہو گیا۔ اب پہلے تو اس پر بڑی باتیں ہوئیں اور بڑی طعن و تشنیع ہوئی کہ دیکھو جی یہ کیسے عجیب لوگ ہیں ایک غریب زادے کو اتنے رئیس خاندان کی اور قریش کی بیٹی دے دی۔ یہ کیا اسلام ہے اور یہ کیا مذہب ہے پھر وہ نبا نہ ہو سکا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو من جانب اللہ علم تھا کہ ایسا ہو گا اسی لئے قرآن کریم میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بات چھپا رہے تھے لیکن جو آپ کو پتہ ہے اسے چھپانے سے کب چھپتی ہے جب اللہ ظاہر کرنا چاہتا ہے تو پھر طلاق ہو گئی اب طلاق جب ہو گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے رشتہ مانگ لیا تو وہ آپ کے متبنی منہ بولے بیٹے کی بیوی ہو چکی تھی اور عربوں کے نزدیک وہ بہو کا درجہ رکھتی تھی اور اب ان کی دوسری رسم پہ بڑی سخت چوٹ پڑ رہی تھی اس پر بہت زیادہ طعن و تشنیع ہوئی بڑی زبانیں کھلیں لیکن اللہ کریم نے فرمایا کہ اللہ اپنے قانون کو نافذ کرنا چاہتا ہے اور اللہ مسلمانوں کی سہولت کے لئے اپنے نبی علیہ السلام کو وہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے جو غیر نبی کے لئے جرات کرنا ممکن نہیں۔ جس کام کی جرات غیر نبی کے لئے' اتنی اتنی طعن و تشنیع' اتنی زبانوں کا سامنا کرنا پڑا اور معاشرے کی اتنی تنقید برداشت کرنا۔ فرمایا یہ غیر نبی کی جرات نہیں ہو گی یہ نبی

علیہ السلام کا حوصلہ ہے۔ اب اس پس منظر میں اللہ نے فرمایا کہ دیکھو!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے نسبی باپ نہیں ہیں۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ تم میں سے کسی مرد کے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے بچے تو تھے تو بچوں کی نفی نہیں فرمائی۔ اللہ جل شانہ نے بچپن میں ان کا وصال ہو گیا سب کا۔ تو کسی بالغ مرد کے کہ تمہارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسبی والد نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب عالی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ نبی اور رسول میں ایک فرق ہے۔ قرآن نے جس انداز سے ذکر کیا ہے جس نبی کو کتاب عطا ہوئی نئی شریعت عطا ہوئی اسے رسول کہا گیا۔ اور جس نبی نے پہلی نازل شدہ کتاب کے احکام کو ہی نافذ کیا اور اسی پر مجاہدہ کیا اسے نبی کہا گیا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام رسول تھے ہارون علیہ السلام نبی تھے۔ تو ہر رسول بنیادی طور پر نبی ہوتا ہے اور اس کی رسالت مزید اس میں فضیلت کا باعث بنتی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اتنی جامع اتنی کامل اتنی مکمل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلسلہ نبوت کو مکمل کر دیا۔ خاتم النبیین نبیوں کے سلسلے کو تمام کرنے والے جس کی مثال حدیث میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دی ہے کہ جیسے کوئی عالی شان محل ہو اور اس میں کسی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو تو میں وہ اینٹ ہوں جو نبوت کے محل میں لگا کر اسے مکمل کر دیا گیا۔ یہ مثال حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے اور اس کا ترجمہ بھی خاتم النبیین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ مبارک میں یہ ہے **انا خاتم النبیین لا نبی بعدی**۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ ختم نبوت کی بات، مسائل نکاح طلاق میں کہاں سے آ گئی یعنی بات ہو رہی ہے کہ نکاح طلاق کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نسبی والد نہیں ہیں۔ اگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطلقہ بیوی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا ہے تو یہ درست ہے اس میں کوئی عیب نہیں تو اس میں بات ختم نبوت کی کہاں سے آ گئی۔ تو فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اب ان کی بعثت کے بعد دنیا میں جو برکات تقسیم ہوئی ہیں وہ صرف انہی سے ہوئی ہیں یہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کہ کوئی کمی رہ جائے اس مسئلے کی اور کوئی اصلاح کر دے بلکہ تمام مسائل فرائض اور عقائد سے لے کر مستحبات تک کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ جسے میرا نبی بیان نہ کر دے یا نبی علیہ السلام اس پر عمل نہ کریں یا نبی علیہ السلام اس سوال کا جواب نہ دیں۔ وہ سیاسی ہو معاشی ہو وہ اخلاقی ہو یا عبادات سے ہو معاملات سے کسی پہلو سوال جو ہے وہ تشنہ تکمیل نہیں رہے گا۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں آئے گی۔ کتاب اللہ کے بعد کوئی نئی کتاب نہیں ہو گی اور کوئی نیا معاشرہ ایسا نہیں ہو گا جو اللہ کو پسند ہو۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اسلام کے علاوہ اب کوئی نیا معاشرہ نہیں آئے گا۔ وجود پذیر نہیں ہو گا۔

تو اس ختم نبوت نے یہ واضح کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہیں، برزخ میں رہیں، زمین پر رہیں یا عرش بریں پر رہیں۔ نبوت و رسالت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ہے اور قانون بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہو گا۔ سنت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی جاری رہے گی کتاب وہی نافذ العمل رہے گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں اور لوگوں کی جو بھلائی جو نیکی جو نور جو روشنی جو قرب الٰہی دنیوی زندگی کا موت ما بعد الموت کا برزخ کا یا آخرت کا نصیب ہو گا وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے ہو گا۔ تو فرمایا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برکات کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ جب یہ طے ہو گیا کہ رشتہ نسبی نہیں ہے رشتہ ہے روحانی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اور رسول ہیں اور نبی اور رسول وہ ہیں کہ جن کا دامن چھوڑا نہیں جا سکتا کہ آج نہ سہی پھر کوئی نبی مبعوث ہو گا اس کے دامن میں پناہ لے لیں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا تو پھر استفادہ کا طریقہ کیا ہے فرمایا۔

اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ کثرت سے کیا مراد ہے سادہ سے الفاظ میں کثرت سے مراد یہ ہے کہ زندگی میں سب سے زیادہ جو کام کرو وہ ذکر الٰہی ہو سانس لینے سے ذکر زیادہ کرو۔ دل کی دھڑکنوں سے اللہ کا نام زیادہ بار دہرایا جائے گا۔ اب یہ ذکر کثیر جو ہے یہ علی الدوام کرو۔ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ صبح شام یعنی

ROUND THE CLOCK

علی الدوام کرنا چاہئے۔ یہاں مفسرین کرام نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے۔ جس کا کوئی وقت متعین نہیں کوئی تعداد متعین نہیں اور کوئی صورت متعین نہیں۔ عبادات کی صورتیں معین ہیں۔ تعداد معین ہے اوقات معین ہیں زکوۃ کی حج کی نماز کی روزے کی اوقات معین ہیں صورت معین ہے تعداد معین ہے جگہ معین ہے کہ حج آپ بیت اللہ شریف میں نہ پہنچیں تو حج نہیں ہو گا۔ اسی طرح شرائط ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ عذر اور معذوری کی حالت میں بیماری کی حالت میں سفر کی حالت میں کوئی عبادت معاف ہو جاتی ہے کوئی آدھی ہو جاتی ہے روزے کو قضا کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے خواتین سے بیماری میں نماز معاف ہو جاتی ہے اسی طرح سے مسافر کے لئے وہ قصر ہو جاتی ہے۔ آدھی ہو جاتی ہے لیکن ذکر کا نہ قضا ہے اور نہ معافی ہے۔ تاآنکہ کوئی بندہ پاگل نہ ہو جائے اس کے حواس ساتھ نہ چھوڑ جائیں بیمار ہے کھڑا ہے لیٹا ہے وضو ہے نہیں ہے اٹھ سکتا ہے نہیں اٹھ سکتا ہے اگر اس کے حواس کام کر رہے ہیں تو اسے ذکر کرنے کا حکم موجود ہے۔ بے ہوش ہو جائے وہ الگ بات ہے اس کے علاوہ اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور ایک مزے دار جملہ لکھا معارف القرآن میں مفتی صاحب نے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے کہ ذکر نہ کرنے کے لئے کوئی عذر قبول نہیں ہو گا کوئی ایسا عذر نہیں ہے کہ بندہ کہے جی میں بیمار تھا یا میرے کپڑے پاک نہیں تھے یا میرا وجود پاک نہیں تھا یا مجھ پر غسل واجب تھا یا میں سفر میں تھا یا میں کھڑا ہوا تھا کوئی عذر نہیں ہے کوئی حال ہے ذکر کرو۔ ذکر سے چھٹی نہیں اور فرمایا اس لئے

کہ اللہ وہ ہے جو مسلسل تم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ ساری رحمتوں کو مجسم کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر دیا۔ اب یہ جو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو رحمت مجسم ہیں اس کے وجود باجود سے رحمت کی تقسیم کا ایک اور دروازہ کھل گیا کہ بنی آدم کو اپنی نوع میں اولاد آدم میں ایسی ہستی مل گئی کہ جس سے برکات الٰہی اور رحمت الٰہی کو وصول کر سکتا ہے۔ یہ آسانی فرما دی پھر اللہ کے فرشتے تمہارے لئے ہر وقت دست بدعا رہتے ہیں کہ بار الہا ہر مسلمان پر وہ جیسا بھی ہے اور جہاں بھی ہے رحمتیں نازل فرما۔ اور یہ سارا کام اس لئے کیا جاتا ہے کہ تمہیں لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کہ تمہیں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لایا جائے اور تمہارے لئے تاریکی سے نکل کر روشنی میں آنا آسان ہو جائے اللہ نے اپنی رحمت کا ایک پل باندھ دیا۔ اپنے فرشتوں کی دعاؤں کا ایک پل باندھ دیا اسے مزید اس میں رسے ڈال دیئے اور تمہارے سامنے وہ راستہ کھول دیا اب اس پر چلنا تمہاری یاد الٰہی تمہارے قدم ہیں اور تمہاری غفلت اس سے محرومی ہے اب اگر تم غافل ہو گئے تو پل بھی ہے منزل بھی سامنے ہے لیکن غفلت میں ہو سکتا ہے کہ تم اسی کنارے پر دم توڑ دو اور اس میں تم اللہ

سے شکوہ نہیں کر سکو گے اسی نے تمہیں منزل بھی دکھا دی روشنی بھی دکھا دی اسباب مہیا کر دیئے اور اپنی رحمت کو تمہارا راستہ صاف کرنے کے لئے مقرر کر دیا اور تم پر نزول رحمت کو دوام جاری کر دیا لیکن ادھر سے رحمتیں برس رہی ہیں اور تم نے اپنا دامن الٹا ہوا ہے تمہارے دل کا دروازہ بند ہے تم اللہ کی یاد سے غافل ہو تو پھر یہ قصور تمہارا ہے۔ کل یہ شکوہ نہ کرنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی ہستی مبعوث ہوئی اور ہم محروم رہے تو یہ محرومی تمہاری طرف سے ہے ادھر سے نہیں ہے اور فرمایا یہ بھی یاد رکھو ساتھ کہ اپنے اذکار اور اپنے ذکر کی آزمائش میں کس منزل پر ہوں اس کا ایک پیمانہ بھی دے دیا کہ جتنا جتنا تو ظلمت سے دور ہوتا جاتا ہے جتنا نافرمانی سے دور ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اتباع سنت میں فنا ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اطاعت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنا اتنا تو نور میں چلا جاتا ہے اتنے تیرے منازل بلند ہوتے جا رہے ہیں۔ یعنی تیری بزرگی تیرے سفر کی دلیل یہ ہے۔

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ عملی زندگی میں اگر گناہ کم ہونا شروع ہو گئے اور نیکی میں رغبت بڑھنے لگی تو منازل نصیب ہونا شروع ہو گئے وہ کیا ہیں؟ اس کا ادراک آخرت میں ہو گا چونکہ وہ منازل کوئی دنیوی مکان نہیں ہیں ان میں کوئی حکومت و سلطنت نہیں بلکہ قرب الٰہی کی لذات ہیں جو یہاں صرف حاصل کی جا سکتی ہیں وہاں پر کبھی آزمائی اور برتی جائیں گی یہاں ایک گونہ راحت اطمینان سکون اور عبادات میں لطف اور گناہ سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور فرمایا۔

اللہ تو ایمان والوں کے لئے ہے ہی بڑا رحیم کہ کتنی آسانیاں کر دیں سارا کام خود کر دیا اور بندے کو صرف کہا کہ تو میرا نام دہراتا رہ اور بات ختم۔ تیرا کام ہو جائے گا۔ تجھے نماز کی توفیق بھی ہو جائے گی تمہیں حلال کھانے کی توفیق بھی ہو جائے گی گناہ سے بچنے کی توفیق بھی ہو جائے گی ایمان پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق بھی ہو جائے گی لیکن مجھے بھول نہیں مجھے یاد رکھ۔ اب اگر بندہ اتنی سی بات بھی نہیں کر سکتا تو پھر اس کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ کل میدان حشر میں پیش کرے گا۔ تو فرمایا جو لوگ یہ نسخہ آزماتے ہیں اختیار کرتے ہیں جنہیں ذکر دوام نصیب ہو جاتا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جب ساری دنیا قیامت کے زلزلے سے پریشان اور فرشتوں کی پکڑ دھکڑ سے چیخ اور چلا رہی ہو گی اور بے ہوشیاں طاری ہو رہی ہوں گی اور کسی کو لباس تک کا ہوش نہیں ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لوگ اٹھیں گے لباس نہیں ہو گا لیکن کسی کو دوسرے کے بے لباس ہونے کا پتہ بھی نہیں ہو گا اتنی اپنی اپنی ہر ایک کو پڑی ہو گی فرمایا اس وقت یہ جو طبقہ ہو گا۔ جن کو حکم دیا جا رہا ہو گا کہ ذکر کرو جو یہ نسخہ اپنا کر آئیں گے انہیں آتے ہی میدان قیامت میں اللہ کریم فرمائیں گے السلام علیکم سلامتی ہو میری تم پر۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ قبروں سے اٹھ کر تو خود اللہ فرمائیں گے السلام علیکم اور اسی کو پھر اختیار کیا گیا مومنین کے لئے کہ جب دنیا میں ایک دوسرے سے ملو تو ضرور کہو السلام علیکم وعلیکم السلام کہ یہ عظمت ہو گی مومن کی کہ جب دنیا بھر کے پسینے چھوٹ رہے ہوں گے اور بڑے بڑے شہنشاہ بے ہوش ہو ہو کر گر رہے ہوں گے تب یہ بڑے سکون سے اللہ کی طرف سے سلامتی کے مژدہ جانفزا سن رہے ہوں گے۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔ اور ان کے لئے اللہ نے اجر کریم بہت خوبصورت بدلہ تیار رکھا ہوا ہے۔ مفسرین نے یہاں بڑا خوبصورت جملہ لکھا ہے کہ اجر کریم اور ذاکرین کے درمیان صرف پردہ ان کی زندگانی کا ہے زندگی کی ڈور ٹوٹی اور وہ اپنی منزل پہ پہنچ گیا۔ اَعَدَّ لَهُمْ ان کے لئے سجا کر رکھا ہوا ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی بنانا ہے ان کے لئے بنا کر سجا کر سنوار کر تیار کر کے رکھا ہوا ہے تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ زندگی درمیان میں حائل ہے جیسے

زندگی کی ڈور ٹوٹی وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ فرائض کے لئے بعض چیزیں وہ بھی فرض ہو جاتی ہیں۔ ذکر تو ویسے فرض ہے اور فرض عین ہے۔ کوئی بھی وہ کام جس کا قرآن حکیم صریحاً" حکم دیتا ہے وہ فرض عین ہوتی ہے۔ سادہ سا اصول ہے اسے منصوصی حکم یعنی قرآن کی نص سے قرآن کی آیت سے جو حکم ثابت ہوتا ہے براہ راست جیسے اُذْکُرُوْا اللّٰہَ ذکر کرو۔ ذکر فرض ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز فرض ہے۔ روزہ رکھنے کا حکم ہے روزہ فرض ہے۔ زکوۃ دینے کا حکم ہے زکوۃ فرض ہے۔ حج کرنے کا حکم ہے حج فرض ہے۔ اسی طرح ذکر کرنے کا حکم ہے اور ذکر ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے جس پر نماز فرض ہوتی ہے اس پر ذکر فرض عین ہے۔ اب بہانے یہ کئے جاتے ہیں کہ جناب جو ایمان لے آتا ہے ادنیٰ درجہ ذکر کا یہ بھی ہے اور حق ہے اور یہ درجہ ہے ذکر کا اور ذکر قلبی کا اگر دل سے ایمان نہ لائے **اقرار م باللسان و تصدیق م بالقلب** دل تصدیق نہ کرے ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے ادنیٰ درجہ ذکر قلبی کا دل سے ایمان لانا ہے ہر عمل جو شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے وہ عملاً ذکر ہے اور اس میں اللہ کی یاد موجود ہے ہر وہ لفظ جو ہم اللہ کی یاد میں زبان سے ادا کرتے ہیں یا قرآن پڑھتے ہیں یا تسبیح پڑھتے ہیں یا درود پڑھتے ہیں یہ ذکر لسانی ہے لیکن مقصود جو ہے اور فرض عین جو ہے وہ ذکر علی الدوام ہے اور جس میں غفلت نہ کرنے کا حکم ہے۔

وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ غفلت سال کی بھی مہینے کی بھی دن کی بھی اور ایک لمحے کی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک لمحے کی غفلت بھی ہے تو غفلت ہے۔ چھوٹی غفلت سہی اس کا جو جرمانہ ہے وہ کم سہی لیکن ہے تو غفلت اور غفلت حرام ہے۔ جس چیز سے قرآن منع کر دیتا ہے وہ حرام ہو جاتی ہے جس کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ فرض عین ہو جاتا ہے اور غفلت سے بچنے کا ذکر اور دوام کا ایک ہی نسخہ ہے کہ قلب ذاکر ہو جائے اور یہ نسخہ خود قرآن نے تجویز کیا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اگر کوئی بندہ ساری زندگی یہی تلاش کرتا رہے کہ ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ ایسا بدنصیب ہے جو آب حیات کے کنارے بیٹھ کر تجزیہ کرتا رہے کہ یہ پینے سے کیا ہو گا اور مر جائے۔ ایک گھونٹ پی لینے سے وہ بچ سکتا تھا لیکن وہ اس کا تجزیہ کرتا رہا۔ مجھے ایک دوست نے بتایا اس کا ایک ڈاکٹر دوست تھا اور جو آج کل کے مسلمانوں کا حال ہے۔ امام کعبہ جو بیت اللہ میں نماز پڑھاتا ہے اس نے اس ڈاکٹر سے پوچھا "یار میں اگر یہ آب زم زم پی لوں تو میڈیکلی مجھے کوئی نقصان تو نہیں دے گا۔" اس ڈاکٹر نے کہا "جی آپ نہیں پیجئے گا یہ تو آپ کے لئے مضر ہے۔" میں نے کہا تم نے ایسا کیوں کہا اس نے کہا ایسے موذی کو کیوں پینا چاہئے۔ ایسے بے ایمان کو تو اسے چکھنا ہی نہیں چاہئے۔ اندازہ کریں بندہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہے۔ بیت اللہ کا امام بھی ہے یعنی آب حیات کے کنارے بیٹھا ہے اور پوچھ رہا ہے یہ آب حیات پی لوں مر تو نہیں جاؤں گا۔ اب یہ بندہ اگر کہے ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، تو اس کی بات کا وزن کیا ہے حیثیت کیا ہے اس کی بات کی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فرما دینا کہ زم زم ہر مرض کا علاج ہے پھر اس کا تبرک اس کا متبرک ہونا اس کا ایک دائمی معجزہ کے حیثیت سے ظاہر رہنا اور آج تک کی ساری میڈیکل سائنس نے تجزیئے کر کر کے اس کے فوائد ہی بیان کئے ہیں۔ دنیا کا کوئی لیبارٹری ٹیسٹ زم زم کے خلاف کوئی ذرہ نہیں نکال سکا یہ نہیں کہ اس کے تجزیئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد موجود اللہ کی تعریف قرآن میں موجود اور امت کا عمل موجود۔ پھر ایک بندہ کعبے میں نماز پڑھانے والا بھی کہتا ہے کہ پی لوں مجھے نقصان تو نہیں دے گا تو تف ہے ایسی مسلمان پر اور اسی طرح کے لوگ ہیں جن کا بھرم رکھا ہوا ہے مسلمانی نے لیکن ان کے دل میں وہ نہیں اتری انہوں نے مسلمانی کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ اس کے ذریعے پیسے کماتے ہیں روزی کماتے ہیں۔ لوگوں کے

پیشوا بنے رہتے ہیں۔ دل میں وہ بات نہیں اتری ورنہ ذکر کے بغیر ذکر تو از خود فرض عین ہے ذکر کی جو فرضیت مختلف واسطوں سے ہوتی ہے وہ اس پر مزید ہے اس لئے کہ ہر عبادت کے لئے قلب کا خشوع اور خضوع جو ہے وہ ضروری ہے اور بغیر خشوع کے کسی عبادت کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں اور خشوع قلب کا فعل ہے اور جو قلب ذاکر نہیں ہوتا اس میں خشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہوتی جو اللہ ہی کی یاد سے غافل ہے اس میں اللہ کی ذات سے خشیت اور خشوع کہاں سے آئے گا۔ متوجہ الی اللہ وہ کیسے ہو سکے گا۔ تو ہر عبادت اپنے حوالے سے جیسے وضو بجائے خود فرض نہیں لیکن جب نماز کا وقت ہوتا ہے نماز فرض ہوتی ہے تو وضو فرض ہو جاتا ہے کہ نماز کے لئے وضو ضروری ہے اسی وقت نماز کے واسطے سے فرض ہو جاتا ہے ذکر خود بھی فرض ہے لیکن ہر عبادت کے حوالے سے ذکر فرض عین ہو جاتا ہے کہ اس میں خشوع کی ضرورت ہے اور خشوع قلب کا فعل ہے اور قلب غافل ہو تو اس میں خشوع نہیں ہوتا جب تک ذاکر نہ ہو اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دولت صرف مسلمانوں کے پاس ہے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود اور سینہ اطہر سے ملتی ہے دنیا کی کوئی قوم کسی قلبی کیفیت کو نہ سمجھ سکتی ہے نہ بتا سکتی ہے نہ اس کا دعویٰ ہی کر سکتی ہے۔ شعبدہ بازی کے دعوے سائنسی کمالات کے دعوے مادی کمالات کے دعوے ساری دنیا کرتی رہے گی لیکن قلبی کیفیات سے مسلمان کے علاوہ نہ کوئی واقف ہے نہ واقف ہو سکتا ہے اور نہ اس کا جھوٹا دعویٰ بھی کر سکتا ہے جھوٹ بھی تب بولے گا کسی حد تک جانتا تو ہو جھوٹا دعویٰ بھی کوئی کرتا ہے تو نام نہاد مسلمان ہی کرتا ہے غیر مسلم جھوٹ بھی نہیں بول سکتا اس لئے کہ یہ دولت ہے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر سے مستفاد ہوتی ہے اور مومنین کے قلوب کو سیراب کرتی ہے۔

اللہ کریم اگر بصیرت عطا فرما دیں تو ہر دل جڑا ہوا نظر آتا ہے ان نور اور روشنی کی تاروں سے جو قلب اطہر سے نکل کر کائنات میں پھیلتی ہیں ہر اطاعت ہر اتباع سنت کا قدم اس تار میں تاریں بڑھاتا رہتا ہے اس راستے کو مضبوط اور کھلا کرتا رہتا ہے ہر دفعہ اللہ کا نام ہر دفعہ کا ہر دفعہ کی نیکی اسے بڑھاتی رہتی ہے اور رشتہ مضبوط ہوتا رہتا ہے ہر گناہ اسے کمزور کرتا رہتا ہے۔ ہر لقمہ حرام ہر جھوٹ ہر رشوت ہر برائی اسے کمزور کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا گناہ کرتے کرتے کچھ لوگ اسلام چھوڑ کر گمراہ عقائد اختیار کر لیتے ہیں اس لئے وہ طاعت توڑ دیتے ہیں ایک بہت بڑے نیک پارسا کی اولاد گمراہ ہو جاتی ہے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وہ رشتہ جب ٹوٹ جاتا ہے تو بندہ آوارہ ہو جاتا ہے جس کی مرضی اسے اچک لے آپ نے دیکھا اور مذاہب میں اس طرح فرقے نہیں بنتے یہ بڑی عجیب بات ہے کبھی آپ غور فرمائیں کب سے آپ نے دیکھا یہاں ہندو ہیں ہندو ہندو ہی ہیں ان میں نہ وہابی بنا' نہ مرزائی بنا' نہ قادیانی بنا' نہ شیعہ بنا' نہ سنی بنا۔ ہندو کے ہندو ہی ہیں بس۔ کب سے عیسائی آ رہے ہیں تو وہ ویسے عیسائی کے عیسائی ہی ہیں یہ کب سے باقی باطل فرقے آ رہے ہیں اور وہ ایک ہی طرح کا فرقہ ہے اس لئے کہ ان کی ڈور بندھ جاتی ہے شیطان کے ساتھ کفر کے ساتھ۔ اب کفر کو آپ کہاں کہاں پلٹیں گے جدھر پلٹیں گے تو کفر ہی ہو گا اس میں کیا فرقہ پرستی ہو سکتی ہے اور فرقہ بندی ہو گی۔ اسلام میں ڈور بندھتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اب جس کی ڈور ٹوٹتی ہے وہ کسی نئی جھاڑی پہ جا اٹکے گا۔ کسی درخت پہ ٹنگا ہوا ہو گا کوئی اسے اچک لے گا۔ کسی کو ہندو کسی کو عیسائی کسی کو کوئی بھی نہیں ملے گا تو وہ اپنے لئے کوئی نیا آشیانہ کسی نئے نام سے بنا لے گا تو یہ جتنی فرقہ پرستی ہے دراصل یہ ڈوریں کٹنے کی وجہ سے ہے اور یہ رک نہیں سکتی جب تک ڈوریں کٹتی رہیں گی یہ مصیبت بنتی رہے گی اب جس کی ڈور کٹ جاتی ہے اسے کوئی کیسے روکے سوائے اللہ کے اسے توفیق دے اور توبہ کر کے واپس جڑ جائے میں اور آپ نہیں روک سکتے۔

سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ یہاں قصبہ بھون ضلع چکوال میں ایک بڑے جلسے میں تقریر فرما رہے تھے تو ایک ہندو نے سٹیج پر چٹ بھیجی۔ اسلام پر اس نے اعتراض کیا کہ ہم ہندو ہیں لیکن ہمارے ایک دفعہ شادی ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے میاں بیوی بن جاتے ہیں پھر ان میں جدائی کا کوئی تصور نہیں ہوتا شادی ٹوٹتی نہیں ہے اور مسلمان اپنی طرف سے کہتے ہیں کہ مذہب حقہ ہے لیکن تمہارے ہاں شادیاں ٹوٹتی ہیں طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ میاں الگ بیوی الگ ہو جاتی ہے۔ تو شاہ صاحب مزے کے آدمی تھے انہوں نے فرمایا "یار کسی کے پاس کوئی دھاگا ہے تو دینا۔" کسی کے پاس دھاگا کہاں تھا تو کسی نے آزار بند سے کھینچ کے دھاگا نکال کر دو تین بالشت دیا۔ کسی ایک آدمی سے کہنے لگے۔ "یار اس کو پکڑ کر اس طرح کھینچ رکھو" اس نے پکڑ کر کھینچ رکھا آپ نے درمیان میں لٹھ سے مارا۔ دھاگا ٹوٹ گیا۔ فرمایا "کچھ ہوا۔" جی دھاگا ٹوٹ گیا۔ فرمایا "چھوڑو یار دھاگے کو۔ یہ ٹوٹ جاتا ہے۔" ایسے ہی دونوں ہاتھ کھڑے کر کے درمیان میں بڑی دفعہ لٹھ ماری۔ فرمایا "کچھ ہوا۔" "جی کچھ نہیں ہوا۔" فرمایا "کافر کا نکاح ہوتا ہی نہیں ہے ٹوٹے گا کہاں۔ ہوتا تو ٹوٹے گا۔ ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ دھاگا تھا ٹوٹ گیا تمہارا ہوتا نہیں ہے ٹوٹے کیا۔"

تو کافر میں فرقہ بندی اس لئے نہیں آتی کہ ان میں ہوتا ہی کچھ نہیں شیطان سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اب جو بھی شیطنت کرو تو وہ ایک ہی مرکز سے وابستہ ہے الگ فرقہ تو نہیں بنے گا۔ لیکن اسلام کی اساس ہے کہ دل وابستہ ہو قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ ٹوٹتا ہے تو جس طرح کوئی پتنگ فضا میں آوارہ ہو جاتی ہے۔ بندہ اسی طرح آوارہ ہو جاتا ہے پتہ ہے۔ ہندو کو مسلمان بنانا کتنا مشکل ہے کسی عیسائی کو عیسائیت سے نکالنا کتنا مشکل ہے کسی بھی کافر کو اس کے کفر سے نکالنا کتنا مشکل ہے یہ مسلمان فوراً" کیوں دوسرے فرقے میں چلے جاتے ہیں گناہ کرتے کرتے غفلت میں برائی میں ڈور کٹ جاتی ہے اور کسی زمین پر یہ کھڑے ہی نہیں ہوتے جب ڈور کٹتی ہے تو اس لئے انہیں اچک لینے میں آسانی ہو جاتی ہے اور یہ لقمہ تر ثابت ہوتے ہیں گمراہی کے لئے۔ لہٰذا دنیا لوٹنے والے کبھی ولایت کے نام پر، کبھی مشیخت کے نام پر، کبھی سیاست کے نام پر، کبھی نبوت کے نام پر قادیانی کی طرح عیش کرتے ہیں لوگوں کے ایمانوں پر لوگوں کی آخرت پر لوگوں کی عاقبت پر اپنی عاقبت بھی برباد کرتے ہیں اور دنیاوی نام و نمود کماتے ہیں تو ان سب مصیبتوں میں یہ ساری تاریکیاں ہیں۔

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ ان اندھیروں سے تمہیں نکالنے کے لئے فرمایا پل بنا دیا ہے اپنے نام کا اپنی یاد کا یہ سانس نہ سمجھو یہ زندگی کا ایک ایک قدم ہے جو منزل کو قطع کرتا جا رہا ہے اور ہر سانس موت کے قریب کرتا جا رہا ہے یہ ایک ایک قدم ہے ہر قدم کو سوچو کہ وہ غفلت میں نہ جائے وہ راستے پر پڑے وہ ہوا میں نہ ہو وہ پل پر ہی ہو کہ کوئی بھی قدم جو ہوا میں ہے کسی لمحے بندے کو گرا سکتا ہے۔

ہم بڑے ہی خوش نصیب لوگ ہیں ہزاروں گناہوں، ہزاروں خطاؤں، ہزاروں قصوروں، ہزاروں کمزوریوں، ہزاروں کمیوں اور خامیوں کے باوجود ہمیں اللہ نے ایک ولی اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیوں میں بیٹھنا نصیب فرمایا اور ہمیں بھی ذکر قلبی کی سعادت اور ذکر کے لئے دعوت دینے والوں میں بنا لیا۔

کہاں میں کہاں یہ عطاء اللہ اللہ

عجیب بات ہے کہ جس گمراہی کے زمانے میں اسلام کے نام پر اللہ کی یاد سے روکا جا رہا ہے اور جس زمانے میں خرافات کو کوئی بدعت کہنے کی جرات نہیں کرتا کوئی غیر اسلامی قانون کو گناہ اور حرام کی جرات نہیں کرتا کوئی غیر اسلامی طریق انتخاب کو باطل کہنے کی جرات نہیں کرتا اور سارے یہیں بستے ہیں کوئی مسلمان ملکوں پر کافروں کی حکومت پر تنقید کرنے کی جرات نہیں کرتا اور بڑی دلیری سے اللہ کی یاد سے روکنے کے لئے فتوے داغ جاتے ہیں۔ اس

افراتفری کے زمانے میں اگر ہمیں ذکر قلبی نصیب ہو گیا تو میں سمجھتا ہوں اس سے بڑا اور کسی مقام کا کوئی تصور ہی نہیں۔ سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ یہ ذکر نصیب ہو گیا اور یہ چھوٹے نہیں اور یہ قبر میں ساتھ جائے۔ باقی مقامات کی بات وہاں کر لیں گے۔ باقی معاملات وہاں ہوں گے اسی لئے کہ جو اس نعمت کو لے کر جائے گا سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی آنکھ اٹھانے سے پہلے رب العلمین اسے کہیں گے السلام علیک کیسی عجیب بات ہے کہ روح قبض ہو۔

یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ کوئی میدانِ حشر ہی ضروری نہیں موت کے بعد جب روح قبض ہو کر پیش ہو گی وہ بھی لقائے الٰہی کا لمحہ ہے کیسی عجیب بات ہے کہ کوئی زندگی کا تھکا ہارا گناہگار لرزاں و ترساں موت کی وادی سے گزر کر بارگاہ الوہیت کی دہلیز پر پہنچے اور اسے ذات باری فرمائے السلام علیک تو حساب تو ہو گیا تو معاملہ ختم ہو گیا حساب کتاب تو طے ہو گیا اس کے بعد پھر کون سا حساب ہے۔ برزخ کی طویل مسافتوں سے نکل کر کوئی میدان حشر میں پہنچے۔ بڑوں بڑوں کے پتے پانی ہو رہے ہوں اور کسی بے کس سے انسان کو پریشان بالی اور تھکے ہارے غریب آدمی کو اللہ کریم پھٹے ہوئے لباس والے کو کہہ دیں السلام علیک تو کیا دنیا اس کی طرف دیکھے گی نہیں اس سے بڑے کسی مقام کا کوئی تصور ہے۔ سارے مقام اس مکان کے اندر اندر ہیں سارے منازل اس منزل کے اندر ہیں ہمارے ذمے یہ ہے کہ دن ہو یا رات بیٹھے ہوں یا کھڑے کھا پی رہے ہوں یا باتیں کر رہے ہوں ذکر الٰہی میں غفلت نہ آئے اور وقت ہے زندگی کو غنیمت سمجھو ان سانسوں کو غنیمت سمجھو جتنا کر سکتے ہو کر لو کرتے چلے جاؤ کوئی انتہا کوئی حد نہیں ہے جتنا زیادہ اللہ نصیب فرمائے اور جو ذکر سے روکتا ہے اس کے ساتھ بھی بحث نہ کرو یہ اتنا روشن موضوع ہے کہ اس پر بحث کرنا بھی وقت ضائع کرنے والی بات ہے بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر کر کے اسے اپنا ذکر کرنے کا ثبوت دو۔ بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر پر کاربند ہو کر ثابت کرو کہ ذکر ہی کرنا ہے۔

اللہ کریم اپنی یاد میں زندہ رکھے۔ اپنی یاد میں موت نصیب فرمائے اور اپنے بندوں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے اور ان انعامات سے نوازے جن کا وعدہ اس نے اپنی کتب میں کیا ہے وہ تو اپنے وعدے وفا کرتا ہے ہمیں توفیق دے ہم کہیں بدعہدی میں مبتلا نہ ہو جائیں ہمیں ہمارے نفس کے شر سے اور ہماری فطرت کی خرابیوں سے اور ہمارے گناہوں اور برے اعمال سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ہم اپنی نادانیوں میں اپنا آپ ضائع نہ کر بیٹھیں اس کے وعدوں پہ تو شک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

الفلاح فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

۲۲۰، سٹریٹ ۱۲، چکلالہ سکیم ۱۱۱، راولپنڈی۔ فون : ۵۰۴۵۷۵

الفلاح فاؤنڈیشن کچھ عرصے سے مالی بحران کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ ہمارے ارکان کی طرف سے عدم دلچسپی ہے۔ یہ بات آپ سے چھپی ہوئی نہیں کہ کوئی تنظیم بھی ارکان کی طرف سے بھرپور دلچسپی اور تعاون ہی سے چل سکتی ہے۔ حالات یہ ہو چکے ہیں کہ اگر ایسا ہی رہا تو ہمیں خیر و فلاح کے اہم منصوبوں سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔ اس وقت ہمارے ماہانہ اخراجات پندرہ ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ یہ ایسی بڑی رقم نہیں جو کہ پاکستان اور بیرون ملک احباب کے تعاون سے اکٹھی نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ ہمیں اپنے کاموں کو پھیلانے کے لئے تیس ہزار روپے کی ضرورت ہے تاکہ ہم گلگت، چترال اور دیگر دور دراز علاقوں میں ڈاکٹروں کا تعین کر سکیں اور ادویات فراہم کر سکیں۔ اس وقت یہ کام نسبتاً محدود پیمانے پر کیا جا رہا ہے کیونکہ وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

آپ مقامی الفلاح فاؤنڈیشن کا اجلاس بلا کر یہ خط تمام ارکان کے سامنے رکھیں اور جلد از جلد اپنی اکٹھی کی گئی رقوم بذریعہ چیک / ڈرافٹ بنام الفلاح فاؤنڈیشن بھجوائیں۔ آپ کی رقوم میں زکوٰۃ، صدقات اور فطرانہ شامل کی جا سکتی ہیں۔ تاہم اس کی الگ نشاندہی کر دی جائے۔

ابلیس کے پجاری

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

سورۃ سبا میں بائیسویں پارے میں اہل سبا کا ذکر ہے ان پر جو اللہ کی بے شمار نعمتیں تھیں انعامات تھے پھر ان کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کا ذکر ہے۔ آخر میں عذاب الٰہی کا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ہم نے انہیں ایسے تباہ کیا کہ محض کہانیوں کی زینت بن گئے اور تباہ و برباد ہو گئے تو اس سارے بیان کے بعد رب جلیل نے وہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جو اکثر انسان کے دل میں تو آتی ہے۔ عجیب بات ہے یہ بات زبان پر کم آتی ہے انسان اکثر سوچتا ہے کہ رب کریم نے شیطان کو اتنی طویل عمر بھی دے دی اسے ہماری آنکھوں سے اوجھل رہنے کی قوت بھی دے دی۔ یہ قوت بھی دے دی کہ وہ اپنی بات ہمارے دلوں میں ہمارے ذہنوں میں ڈال دیتا ہے اور اتنے پوشیدہ طریقے سے ڈالتا ہے کہ آدمی کچھ سمجھ نہیں پاتا اور پھر ان کے ساتھ ہمارے لئے حدود متعین فرما دیں اور ان پر عمل نہ کرنے پر بڑی سخت سزائیں اور عذاب۔ تو یہ بات انسان کی سمجھ میں نہیں آتی یہ بات ایسی ہے کہ ہر آدمی سوچتا تو ہے ڈرتے ہوئے کسی سے پوچھتا نہیں۔ شاید اس لئے کہ جواب دینے والا جواب تو شاید نہ دے سکے لیکن فتویٰ ضرور لگا دے گا۔ کہ تم گستاخ ہو، تم بے دین ہو، تم مذاق کرتے ہو دین سے۔ تم دین پر عمل نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اللہ کی کتاب نے کسی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ ہر اس بات کا جواز ارشاد فرما دیتا ہے جو کسی بھی انسان کو کسی بھی لمحے پیش آ سکتی ہے۔ تو یہاں تذکرہ تو ہو رہا تھا اہل سبا کا، ان کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کا اور اللہ کے انعامات جو تھے ان پر اور عدم شکر اور گستاخ کی جو سزا مرتب ہوئی اس کا اللہ کریم نے ضمناً" اس بات کا بھی ذکر فرما دیا کہ سننے والا یہ بھی سوچے گا۔ کہ انہیں شیطان نے بہکایا ہوگا۔ جو انہیں نظر نہیں آتا تھا جو ان کے سامنے نہیں ہوتا تھا جو ان کے دلوں میں بات ڈال دیتا تھا۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ شیطان نے جو بات کی تھی کہ اے اللہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو گمراہ کر دوں گا تیرے راستے سے اور اپنے پیچھے لگا لوں گا۔

میں انہیں برباد کر دوں گا کچھ نہیں رہنے دوں گا ان کے پاس۔ ہر طرف سے انہیں گھیروں گا یہ میری بات مانیں گے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ محض ابلیس کا ظن تھا، گمان تھا اسے یہ یقین نہیں تھا کہ ایسا ہوگا۔ اور نہ اسے یہ قدرت دی گئی ہے کہ وہ یقیناً" ایسا کرے۔ ابلیس کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے کہ کسی انسان کو وہ کسی برائی پر، کسی گناہ پر، کسی خطا پر مجبور و بے بس کر دے، ہاں اسے یہ گمان تھا ظن ہوتا ہے گمان کا بھی ایک کمزور سا درجہ۔ اس کے بھی درجے ہوتے ہیں شک پھر گمان پھر اس سے نیچے ظن بہت معمولی سا جسے آپ وسواس کہہ لیں شبہ سا کہہ لیں فرمایا

ابلیس کو محض ایک شبہ کی حد تک ایک بات اس کے دل میں تھی کہ میں کوشش تو کروں گا ان کے ساتھ۔ لیکن یہ ایسے نامراد لوگ تھے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ کہ انہوں نے اس ابلیس کے شبہ کو سچ کر دکھایا۔ ایسے کمزور ثابت ہوئے کہ خود ابلیس کو جس بات پہ یقین نہیں تھا کہ میں انہیں اللہ کی بارگاہ سے ہٹا لوں گا۔ محض ظن کے درجے میں اس نے بات کی تھی وہم کا بھی بہت ادنیٰ سا درجہ ہوتا ہے یہ ایسے نامراد تھے۔

فَاتَّبَعُوهُ اس کے پیچھے چل پڑے لیکن سارے نہیں۔ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ ایمان جن کے پاس تھا وہ ان میں سے بھی اس کی بات پر نہیں آئے۔

ایمان ایک کیفیت کا نام ہے جو محض الفاظ میں نہیں آتی ایک تیقن ایک اعتماد یقین کی ایک حالت جو دل میں پیدا ہوتی ہے الفاظ محض اس کا اظہار کرتے ہیں اس لیے ایمان کے ساتھ یہ قید لگائی ہے فقہا نے۔ **اقرار ، باللسان و تصدیق ، بالقلب۔** کہ زبان اقرار کرے اور دل اس کی تصدیق کر رہا ہو۔ زبان اس بات کا اعلان کرے جس بات پر دل جم گیا ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جس کا دل میری عظمت پر آخرت پر میرے خالق اور میرے مالک میرے رازق ہونے پر میری ذات پر میری صفات پر یقین سے روشن ہو گیا اس کے لیے شیطان کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ شیطان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکے۔ گمان کے درجے میں شیطان نے کہہ دیا تھا کہ اللہ میں انہیں گمراہ کر دوں گا اور یہ میری بات مانیں گے۔ تیری بارگاہ میں سجدہ نہیں کریں گے۔ میری پوجا کر رہے ہوں گے مجھے پکاریں گے۔ میری اطاعت کریں گے میری غلامی کر لیں گے اور اللہ کریم فرماتے ہیں اہل سبا ایسے بے نصیب تھے کہ انہوں نے ابلیس کے ظن کو سچا کر دکھایا۔ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ ابلیس کو محض ظن تھا انسانوں پر گمان تھا لیکن ان بے نصیبوں نے اسے سچ کر دکھایا۔ فَاتَّبَعُوهُ۔ اور یہ اس کے پیچھے چل پڑے إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ سارے نہیں ان میں بھی جنہیں نور ایمان نصیب تھا وہ اس کے پیچھے نہیں گئے نہ وہ ان کے ساتھ تباہ ہوئے پھر اس سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ۔ اس کے پاس کوئی طاقت ایسی نہیں تھی کہ وہ انہیں اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کرتا قوت نہیں دی گئی اسے۔ ان پر اسے کوئی اختیار حاصل نہیں تھا تو پھر انہوں نے اس کی بات کیسے قبول کر لی کیوں اس کے پیچھے چل کر وہ دنیا کی تباہی سے بھی دوچار ہوئے اور آخرت کی رسوائی اور دائمی عذاب بھی ان کے گلے پڑا۔

فرمایا اس کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے پیدا ہونے پہ اختیار نہیں مرنے پہ اختیار نہیں اپنی صورت اپنی پسند سے نہیں اختیار کر سکتا۔ قد کاٹھ، مال و دولت، عزت و ذلت کچھ بھی اس کے بس میں نہیں لیکن اللہ کی عظمت کا انکار کرتا ہے یا اس سے محروم رہتا ہے صرف یہ آزمائش جو ہے اس کے سامنے ہے یہی اس کا اختیار ہے اور یہاں اللہ کریم فرماتے ہیں۔ یہاں انسان کا فیصلہ لاگو ہوتا ہے شیطان کو کوئی ایسا اختیار نہیں کہ کسی کو پکڑ کر اپنے پیچھے لگا لے فرمایا یہ ہم ہیں۔ الا لنعلم۔ یہ ہم ہیں جو جانچنا چاہتے ہیں مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ۔ کہ کسی کا دل یقین سے پر ہے اور کس نے ظاہر کا بھرم رکھا ہے دل میں شک ہے کہ پتہ نہیں ایسا ہوگا بھی کہ نہیں۔ فرمایا یہی جو شک کی دراڑ ہے نا۔ یہاں سے انسان کی ساری عمارت گر جاتی ہے۔ اور یقین جو ہے یہ اتنا مضبوط قلعہ ہے کہ شیطان کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس لیے کہ۔

وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ۔ اللہ ہر چیز سے حفاظت کرنے والا ہے تو جب تیرا پروردگار تیرا رب ہر جگہ ہر آن، ہر لمحے، ہر پریشانی سے حفاظت کے لیے موجود ہے۔ تو پھر شیطان تیرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن فرمایا بات وہی ہے کہ تیری طرف سے جو یقین اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے وہ

مضبوط ہو تو اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ اب یہ جو یقین ہے نا یا جسے آپ ایمان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دل کی ایک حالت کا نام ہے شک بھی دل ہی کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ دنیا میں جس قدر لوگ مختلف انسانی زندگی کے پہلوؤں پر قیادت حاصل کر لیتے ہیں سب کے پاس محض الفاظ اور تھیوری ہوتی ہے۔ حالت نہیں ہوتی یعنی کوئی انجینئر ساری تھیوری یاد کر سکتا ہے لیکن ایک نگاہ سے دیکھ کر کسی کو انجینئر نہیں بنا سکتا۔ حال منتقل نہیں کر سکتا یہ اگلے کی قابلیت ہے کہ ان الفاظ کو وہ کس حد تک سمجھتا ہے کتنا اخذ کرتا ہے اور کتنی دیر میں اس بات کو پا لیتا ہے پھر جب وہ ان پر عمل شروع کرتا ہے تو مختلف تجربوں سے گزرتے ہوئے وہ کسی درجے پر پہنچتا ہے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ سکھانے والے سے سیکھنے والا زیادہ قابل ثابت ہوتا ہے اس سے آگے نکل جاتا ہے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس آدمی پہ محنت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لوگ وہ سیکھ نہیں پاتے۔ وہی الفاظ سنتا رہتا ہے۔

لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مختلف وصف رکھا ہے رب جلیل نے کہ نبی کو جو شخص بھی مضبوطی سے تھامنے کا فیصلہ کرتا ہے اس میں نبی کی طرف سے حال منتقل ہو جاتا ہے ایک کیفیت منتقل ہو جاتی ہے۔ جیسے آپ دیکھیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ کے گرداگرد جتنا ماحول تھا اس میں اس زمانے میں پوری دنیا کے اللہ ہمیں معاف کرے بدترین لوگ بستے تھے کہ پوری دنیا میں برائی تھی' کفر تھا' ظلم تھا' جور تھا۔ لیکن سب سے زیادہ کفر و شرک بھی' ظلم و جور بھی' جھوٹ بھی' دھوکا بھی' چوری بھی سب برائیوں کا مرکز جو بیک وقت کسی ایک قوم یا ایک ملک میں تھا وہ جزیرہ نمائے عرب تھا۔ باقی اقوام عالم میں ایک ایک طرح کی برائی تھی یہ چونکہ دنیا کے مرکز میں بھی تھے۔ تجارتی قومیں تھیں براعظموں سے ان کی آمد و رفت اور تعلقات تھے تو ہر قوم سے کوئی نہ کوئی برائی لے کر یہ اپنے ملک میں لے آئے اور یہاں بت پرستی' قتل و غارت' شرک و کفر سے لے کر دنیا کی ہر وہ برائی موجود تھی جو روئے زمین پر کہیں کسی قوم میں تھی۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی باہر سے لوگ درآمد فرمائے وہی میٹریل تھا۔ ایک حال تھا کہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان نصیب ہوا اس کے دل میں اس قدر یقین پیدا ہو گیا کہ کوئی انہی کا حصہ تھا۔ آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس آدمی کو ہو کیا گیا۔ آپ ان غلاموں کو دیکھیں جو جدی پشتی اہل مکہ کے ہاں "نسلاً" در نسلاً" غلام آ رہے تھے اور کسی کے سامنے آنکھ اٹھانے کی جرات نہیں کرتے تھے انہوں نے بھی جب ایمان قبول کیا تو سارے روسائے مکہ دنیا کے مظالم ان پر توڑ کر تھک گئے لیکن وہ کہتے تھے کہ آپ کرتے کیا ہیں جب ہے ہی اللہ ایک ہم کیا کہیں کہ نہیں ایک۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یعنی یقین کی ایک حالت کا نام ہے نا۔ مار کھاتے کھاتے بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کہا ہے ہی ایک۔ خواہ مخواہ مار رہے ہو مارتے رہو۔ کیسی عجیب بات ہے اب یہ تکلف سے نہیں ہو سکتی۔ کہ آدمی "تکلفاً" ایسا کرے وہ تو اس کے بس کی بات ہو تو تکلف سے کرے جب انسانی بس سے بات نکل جائے۔

تو کیا اس کے لئے انہیں کلاسیں لینا پڑیں؟ بس ایک نگاہ پڑی اور فیصلہ انہوں نے خود کیا حضور کے ساتھ ایمان لائیں جو ایمان لانے کا فیصلہ نہ کر سکے وہ وہیں اسی شہر میں رہتے بستے ہوئے ظلم توڑتے رہے' جور و جفا کرتے رہے' کفر پر مر گئے' تباہ ہو گئے' محروم رہے یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کسی پر اللہ نے اسلام مسلط نہیں فرمایا۔ آج جب ہم کہتے ہیں نا بڑی عجیب بات ہوتی ہے دعا تو کی جا سکتی ہے کہ خدایا نیک کر دے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ہوتا تب ہی ہے جب خود آدمی فیصلہ کر لے ہم یہ دعا کر سکتے ہیں کسی کو اللہ جب تک وہ زندہ ہے اسے نیکی پر قائم رہنے کا فیصلہ کرنے کی توفیق دے اور کرنی چاہیے لیکن یہ امید رکھنا کہ کوئی میرے لیے دعا کرے گا تو میں نیک ہو جاؤں گا۔ کوئی دعا

کرے گا تو میں اللہ کی عبادت شروع کر دوں گا۔ یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکا ہے کیونکہ یہ حالت ہمارے فیصلے کی منحصر ہے کہ ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہمیں کیا کرنا ہے کیا ہمیں اپنے رب پر اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی کتاب پر اعتبار کرنا ہے اگر ہمیں اعتبار کرنا ہے تو اس کا نام ایمان ہے اور خدانخواستہ ہمیں اس پر اعتماد نہیں یا وہ کمزور ہے یا اس میں شک ہے۔ تو شک وہ بال ہے جو آئینے میں آ جاتا ہے آپ کسی بھی شیشے کے برتن کو بال آ جانے کے بعد اس پر اعتبار نہیں کر پاتے۔ شک کا بال جب آ جاتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں پھر وہاں شیطان کے پاؤں جم جاتے ہیں اس کا گزر وہاں سے ہوتا ہے۔

اس لیے کہ شیطان کو اللہ نے کسی انسان پر حکماً" کوئی حالت لاگو کر دینے کی طاقت نہیں دی۔ اب یہ جن کا تذکرہ ہو رہا ہے یہ قوم کافر تھی' بدکار تھی' ظالم تھی ان پر عذاب آ گیا تباہ ہو گئے ارشاد ہوتا ہے۔ شیطان کو ان پر اختیار نہیں۔ اگر اس حال میں بھی وہ یہ فیصلہ کر لیتے کہ ہمیں اللہ پر اعتماد کرنا ہے تو فوراً" حال بدل جاتا۔ اور یہی فلسفہ ہے انسان کے سزا پانے کا۔ کہ فیصلہ اس کا ہوتا ہے اگر وہ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کروڑوں گناہوں کے بعد' لاکھوں خطاؤں کے بعد' کفر و شرک کے بعد کہ جو ہو چکا وہ تو ہو چکا میں اپنے رب سے اپنا تعلق استوار کروں گا اسی لمحے اللہ فرماتے ہیں میں اسے قبول کر لیتا ہوں پھر اس کی حفاظت یہ میرا کام ہے پھر اسے فکر نہیں ہوتی اس لئے کہ۔

وَرَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ہر چیز کی نگہداشت میرا رب ہی کرتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کو اس کے ٹھکانے پر رکھنا ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا ہر چیز کو اس کی ضرورت پہنچانا ہر ایک ذرے کی نگہبانی کرنا یہ تو میرا ہی کام ہے اور میں تیرا بھی رب ہوں۔ اتنی وسیع کائنات میں تجھے اکیلا چھوڑ دوں گا؟ ایک تیری نگہبانی سے ہاتھ اٹھا لوں گا؟ باقی سب کی کرتا رہوں گا۔ فرمایا ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ زیادہ طاقت کا توازن انسان کی طرف ہے کہ اگر یہ فیصلہ کر لے کہ اسے معیت باری نصیب ہو سکتی ہے اور شیطان فیصلہ کر چکا اور معیت باری سے محروم ہو چکا تو شیطان نے جو فیصلہ کرنا تھا اس نے وہ کر دیا اس پر وہ فیصلہ نافذ ہو گیا اس پر عمل درآمد ہو گیا اس کا اعلان ہو گیا کہ آئندہ تجھے واپسی کی توفیق نہیں دی جائے گی۔ رد کر دیا گیا اس کے پاس یہ موقع نہیں ہے کہ وہ چاہے بھی تو توبہ نہیں کر سکتا۔ توبہ کی خواہش ہی نہیں کر سکتا۔ اس میں سے وہ چیز سلب ہو گئی توفیق ہی ختم ہو گئی اور انسان کے پاس وہ توفیق باقی ہے جب تک وہ دنیا میں زندہ ہے جب تک سانس کی آمدورفت جاری ہے۔ جب تک اس کی عقل موجود ہے۔ شعور اس کے پاس ہے جب تک فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ سب سے بڑا جرم دنیا میں کسی بھی نبی کے خلاف میدان جنگ میں کودنا ہے اور پھر جن لوگوں نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اتنا بڑا گناہ کسی امت میں کوئی انسان سوچ ہی نہیں سکتا جو اس نے کیا ہو لیکن رب جلیل نے ان سے قوت فیصلہ سلب نہیں فرمائی۔

یہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہی خالدؓ تھے جس نے احد میں موقع تاک کر مسلمانوں پر حملے کا مشورہ دیا حملے کی قیادت کی۔ جس سے ستر چوٹی کے مسلمان شہید ہوئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور مجروح ہوا اور جب اس خالدؓ نے فیصلہ کر لیا کہ نہیں میں اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا تو وہی خالدؓ تھا جو قبول اسلام کے بعد ایک سو اٹھائیس جنگوں کا سالار تھا اور ایک سو اٹھائیس جنگوں میں فاتح تھا۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی تلوار فرماتے ہیں یعنی دیکھیں نا ایک انسان کہاں تک چلا گیا اور اسے مجبور نہیں کیا گیا لیکن جب اس نے فیصلہ کیا تو اللہ نے جتنی شدت سے اس نے فیصلہ کیا اتنا قرب الٰہی اسے نصیب ہو گیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوجہل کے بیٹے تھے۔ بدر میں بھی تھے' احد میں بھی تھے۔ بدر میں انہوں

نے اپنے باپ ابوجہل کی حفاظت کے لیے بڑی کوشش کی جن کے ہاتھوں ابوجہل قتل ہوا تھا ایک لڑکے کو ان کی ضرب سے اس کا بازو کٹ گیا۔ بڑے مشہور جنگجو جوان تھے۔ فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ سے نکل گئے۔ کسی دوسرے ملک جانے کے ارادے سے سفر کر رہے تھے کسی دوست کے پاس ٹھہرے تو اس نے کہا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا میں شام کی طرف جا رہا ہوں اس نے کہا فضول جا رہے ہو۔ یہ طوفان جو تمہیں مکہ سے بھگا رہا ہے یہ تمہیں شام میں آرام سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ یہ تو اب لمحوں میں دنوں میں بات بڑھتی جائے گی۔ اسلامی سرحدوں کی وسعت تمہارے لیے زمین تنگ کر دے گی۔ اس نے کہا پھر میں کہاں جاؤں اس نے کہا میری بات مانو گے اگر میری بات مانتے ہو تو تم واپس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ وہ حیران ہو گیا کہنے لگا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں عکرمہ ابوجہل کا بیٹا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤں۔ اس نے کہا کیوں۔ اس نے کہا وہ مجھے کیسے برداشت کریں گے اس سے بہتر ہے تم مجھے خود قتل کر دو۔ تم مجھے موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہو تو تم خود مجھے قتل کر دو وہاں پتہ نہیں مجھے کتنی ایذائیں دی جائیں اور ذلیل کر کے قتل کیا جائے اس نے کہا نہیں۔ تم پہچان ہی نہیں سکے۔ اسی غلط فیصلے نے تمہارے باپ کو تباہ کیا اور وہی غلط فیصلہ پھر تم کر رہے ہو۔ تم واپس جاؤ تو شاید تم پہچان سکو کہ وہ کیسی ہستی ہیں۔ بڑی سوچ کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ جب میں زمین پر بھاگ کر بھی ان کی گرفت سے نکل نہیں سکتا تو پھر واپس جا کر بھی دیکھ لیتا ہوں۔ واپس آ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اجازت طلب کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوجہل کا بیٹا عکرمہ کو دیکھا ہے شہر میں داخل ہوا ہے اگر اجازت ہو تو اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ فرمایا وہ شہر میں فضول نہیں آیا اسے پتہ ہے شہر پر کس کا قبضہ ہے اگر وہ شہر میں آیا ہے تو شہر کے لیے نہیں آیا ہے وہ میرے پاس آیا ہے اسے آنے دو اور جب وہ پہنچا تو حیران ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ عکرمہ فیصلہ تجھ پر ہے میں نے تو فیصلہ نہیں کرنا اس فیصلے کا اختیار اللہ نے ہر انسان کو خود دیا ہے اب بھی تو اگر اللہ کی بارگاہ میں آ جائے تو کوئی مانع نہیں ہے۔ صرف اس بات نے اسے لرزا دیا کہ میرے جرائم کی فہرست کتنی طویل ہے اور میرے رب کی رحمت کتنی وسیع ہے کہ ابھی تک میرے لیے گنجائش باقی ہے اور پھر بعد کی جنگوں میں جب شریک ہوتے تھے تو زرہ نہیں پہنتے تھے احباب ان سے کہتے تھے کہ زرہ تو جنگ کی ضرورت ہے کہتے تھے اس جسم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے اب اسے نبی کی حمایت میں سینے پر تلوار سہنی چاہیئے۔ زرہ پر نہیں۔ قادسیہ میں شہید ہوئے۔ یعنی شیطان کتنا مسلط تھا کہ کتنے معرکوں میں اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لے گیا لیکن جب اس شخص نے فیصلہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آنے کا تو اللہ فرماتا ہے۔ شیطان کو کوئی اختیار نہیں تھا روکنے کا فرمایا جب آدمی نے فیصلہ کر لیا تو اس کی حفاظت میرے ذمے ہے فرمایا۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ۔ پھر ہر چیز کی حفاظت تو میں کرتا ہوں پھر تو میرا کام ہے اور فرمایا قصور انسان میں ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس میرا ذاتی کلام موجود ہے، میں بتا رہا ہوں یہ ہوگا۔ پھر اس کے پاس میرا نبی موجود ہے جس کی صداقت پہ کبھی دشمنوں نے، کفار نے، مشرکین نے بھی شبہ نہیں کیا۔ اتنا سچا کلام، اتنا سچا نبی، اتنی کھری بات بتاتا ہے پھر لوگ شبے میں گرفتار رہتے ہیں کہتے ہیں پتہ نہیں ہوگا کہ نہیں ہوگا پھر انہیں اگر شیطان اچک لیتا ہے تو قصور کس کا ہے۔

مجھی کو دیکھ لیجئے کہ مجھے چند سال ہوئے ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ آپ چینی نہیں کھائیں گے اگر چینی کھائیں گے تو آپ کے لیے مضر ہے۔ مجھے کئی سال ہو گئے میں نے چینی نہیں کھائی کمال ہے، عجیب بات ہے، وجود میرا ہے، جسم میرا ہے، زندہ مجھے رہنا ہے، ڈاکٹر کو میں جانتا نہیں ہوں وہ تو

ایک لمحہ کے لیے ملا معائنہ کیا اس سے پھر ملاقات بھی نہیں ہوئی میں اس کی بات پر کیوں اتنی شدت سے عمل کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جسم کی ساخت اس کی تعمیر اس کے نفع و نقصان اس کے ٹوٹ پھوٹ اس علم سے وہ واقف ہے میں واقف نہیں ہوں جسم میرا ہے لیکن جسم کی ضروریات یا اس کے نفع و نقصان کا فن اس کے پاس ہے اور اس نے جو کہا ہے میری بہتری کے لیے کہا ہے تو آپ ایک شوگر کو کھانوں میں سے نکال دیں تو دنیا کے کتنے کھانے آپ اپنے سامنے سے اٹھا دیتے ہیں آپ کا تو دسترخوان خالی ہو جاتا ہے۔ آلو نہیں کھانے اس میں شوگر ہے' چاول نہیں کھانے اس میں شوگر ہے' کوئی چیز ایسی نہیں کھائی جس میں میٹھا موجود ہو تو باقی بچتا کیا ہے سوکھی روٹی بچتی ہے یا نمک مرچ بچتا ہے لیکن مجھے کبھی خیال بھی نہیں آیا چینی کھانے کا۔ یہ ایک اعتماد ہے جو میں نے ڈاکٹر پر کیا۔

کیا بحیثیت مسلمان یہ نظر نہ آنے والی چیزیں ہیں اور یہ ایک ایسا فن ہے عمل ہم کرتے ہیں لیکن اس کا کیا نتیجہ اس کی کیا کیفیت دل پر وارد ہوتی ہے اس سے آخرت میں کیا بنتا ہے وہ ہمارے ادراک سے بالاتر چیز ہے۔ اب اس فن کا جو ہے ماہر وہ ہوتا ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر یہ اعتماد نہیں ہے یا اس میں شبہ ہے تو وہاں سے اگر شیطان ہمیں اچک لے تو شیطان کا اس میں کیا قصور ہے یعنی ایک آدمی نے اپنا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور وہ شکوہ کرتا ہے کہ چوری ہو گئی تو چور نے تو کوئی دیوار نہیں پھاڑی اگر آپ نے اپنا مال سڑک میں پھینک دیا آپ نے ہی اپنی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیا آپ نے ہی اپنی رکھوالی سے غفلت کی تو چور کا کیا قصور ہے وہ تو چور ہے ہی۔ وہ تو چوری کرے گا۔ تو شیطانی وسواس کی ساری اصل جو ہے وہ انسان کے اپنے دل کی ایک حالت ہے جسے اللہ کریم نے شک کا نام دیا ہے فرمایا مَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ شیطانوں کو تو انسانوں پر کوئی قدرت حاصل نہیں تھی ہم نے انسان کے سامنے ایک آزمائش رکھی۔

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ۔ یہ فیصلہ انسان کو کر لینے دو کیا وہ میری بات پر میرے نبی پر اعتبار کر کے آخرت پر یقین کرتا ہے یا شک میں گرفتار رہتا ہے اگر تو شک ہی میں رہا تو پھر اسے شیطان اچک لے تو اس کا اپنا قصور ہے اور اگر اسے یقین ہے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ۔ تو پھر تیرا پروردگار ایسا قادر ہے جو ہر چیز سے حفاظت کر سکتا ہے کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمرؓ جس راستے سے آ رہا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ کیسے عجیب لوگ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جس راستے سے آ رہا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے راستہ بدل لیتا ہے ایک یقین کا عالم ہے نا' ایک یقین کی کیفیت ہے ایک یقین کا سال ہے یا ایک آدمی کو یہ اعتبار ہو کہ میں یہاں دس روپے نہیں لوں گا۔ پاکستان جا کر مجھے دس ہزار ملیں گے۔ آپ کی حکومت ایک قانون بنا دیتی ہے کہ جو یہاں سے دس ریال یا دس درہم جمع کرا دے گا۔ ملک میں آئے گا تو اسے دس ہزار ملیں گے تو میرے خیال میں روز کے ایک وقت کا کھانا بچا کر بھی ہم دس درہم جمع کرائیں گے۔ یہ تو بڑھ رہے ہیں وہاں جا کر اکٹھے لیں گے۔ اللہ کریم نے اس سے کروڑوں گنا زیادہ وعدہ فرمایا اور عجیب بات ہے پیٹ کاٹنا نہیں پڑتا' کوئی بھوک برداشت نہیں کرنی پڑتی' دنیا کی کوئی لذت چھوڑنی نہیں پڑتی' پیسہ کماؤ' گھر بناؤ' کپڑا پہنو' شادی کرو' بچے پالو' عزت سے رہو بلکہ بڑی شدت سے قرآن کریم فرماتا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

میں نے جو چیزیں اپنے بندوں کی زیب و زینت کے لیے پیدا کی ہیں کوئی انہیں روک سکتا ہے اچھا کھانے سے' اچھا پہننے سے کون منع کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کے لیے پیدا

کی ہیں صرف ایک انداز بنا دیا ہے کہ ان سب چیزوں کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے وہ یہ ہے اسی طرح حاصل کرو تو یہ نعمتیں بھی حاصل کرو انعام بھی پاؤ اور اس سے ہٹ کر کرو گے تو شاید تمہیں پوری نعمت بھی ملے نہ ملے اور انعام کی بجائے سزا ملے گی۔ اور اتنی سی بات پہ اگر ہم مار کھاتے ہیں تو قصور کس کا ہے۔

تو یہ جو بات ہمارے رہتی ہے دل میں زباں پر کم آتی ہے کہ اللہ کریم نے بڑی زیادتی فرمائی شیطان کو تو اتنی طاقتیں دے دیں ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں اصل طاقت تمہارے پاس ہے اگر تم خود اپنا اسلحہ پھینک کر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاؤ دشمن کے سامنے کہ آؤ بھئی مجھے باندھ لو تو پھر اس پر طعن کرو یا کسی دوسرے پر کرو تو یہ تمہاری زیادتی ہے ورنہ بڑا سیدھا سا آسان سا طریقہ بتایا۔

کہ تم میرا نام لیتے رہو میں جانوں میرا کام جانے' لیکن تم اتنا تو کر سکتے ہو کہ مجھے یاد کرتے رہو پھر دنیوی تکلیف ہو' آخرت کی بات ہو' معاملات ہوں' سیاسیات ہوں' ذاتی باتیں ہوں' اجتماعی ہوں' سارے مسائل میں میں تمہارے ساتھ ہوں میں تمہاری حفاظت کروں گا لیکن تم میرے ساتھ رہو تو۔ تو اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے انسان پر کہ اس نے ایسا کریم رسول بھی مبعوث فرمایا جو رحمتہ اللعالمین ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں قرآن کریم میں کئی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کافروں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے اور اس قدر پریشان ہوتے تھے اس بات پر کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ بے نصیب جہنم میں جائے گا۔ یعنی کافر کفر پر مصر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے پر مصر ہے آپ کی نافرمانی پر مصر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دکھ ہو رہا ہے کہ میرے مبعوث ہونے کے بعد میں یہ اتنا بے نصیب ہے کہ پھر دوزخ میں جائے گا تو اسی بات پر قرآن حکیم میں کئی جگہ تسلی دی گئی ہے کہ

مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔ کہ آپ ان پر تھانیدار مقرر نہیں کئے۔ میں نے آپ کا کام ان تک بات پہنچانا ہے نہیں مانتے تو آپ اس کو اپنے لیے مصیبت نہ بنائیں۔ آپ اس پر دکھی نہ ہوا کریں آپ اس بات پر پریشان نہ ہوا کریں کہ جو نبی دشمن مخالف یا کافر کے لیے اتنا کریم ہے مومن کے لیے ان کی شفقتوں کا کیا حال ہوگا۔ جیسا ہو غریب ہو یا فقیر ہو' بدصورت ہو یا خوبصورت' بوڑھا ہو یا جوان ہو' جاہل ہو یا انپڑھ ہو' کمزور ہو کوئی قید نہیں لگائی۔ ایک ہی قید لگائی ہے کہ کوئی کیسا بھی ہے وہ فیصلہ کیا کرتا ہے یہ اختیار دے دیا۔ اللہ کریم نے اور بڑی عجیب بات ہے کہ میدان حشر میں بھی اللہ کریم کوئی نیا فیصلہ نافذ نہیں فرمائیں گے۔ فرمائیں گے

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ۔ اپنا اعمال نامہ لے لو اور پڑھنا شروع کر دو۔ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ تم آپ ہی اپنے لیے جج ہو اپنا حساب خود لے لو جہاں تم نے میری میرے نبی کی اطاعت کا فیصلہ کیا ہے وہ تم انعام کے مستحق ہو۔ جہاں سے تم نے اطاعت چھوڑ کر اپنا فیصلہ لاگو کیا ہے وہاں تم پر میں بھی اپنا فیصلہ لاگوں کروں گا خود اپنا حساب کر لو۔ یعنی تمہارے ہی فیصلے ہیں جو تم پر نافذ ہوں گے

تو یہ ایک لمحہ جس میں ہم فیصلہ کرتے ہیں اکثر اوقات یہ پوری پوری زندگی کا فیصلہ کر دیتا ہے اس لئے کہ بعض فیصلے اتنے اہم ہوتے ہیں اتنے نازک مواقع ہوتے ہیں کہ ایک ہاں زندگی بھر کے لیے قبولیت کا سبب بن جاتی ہے اور ایک نہ شیطان کو ایک نہ نے تو ہمیشہ کے لیے رد کر دیا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
ہزاروں برس گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

ایک غلط فیصلے نے ہمیشہ کے لیے اسے محروم کر دیا اور کسی کا ایک فیصلہ۔ اب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو ایک ہی فیصلہ کیا تو ساری خطائیں بہا کر لے گیا اور قبولیت کے اس درجے تک پہنچا دیا کہ صحابیت بھی نصیب ہو گئی' شہادت بھی نصیب ہو گئی۔ تو اللہ کریم نے شیطان کو

باقی صفحہ نمبر ۲۲ پر

کفر گڑھ میں ذکر کی برکات

محترمہ طیبہ چیمہ

۱۹۸۸ء میں پہلی مرتبہ نیو یارک میں ہماری ملاقات حضرت صاحب سے ہوئی۔ یہ پہلی ملاقات صرف ڈاکٹر عظمت کے شیخ صاحب کی حیثیت میں ہوئی مگر اس دو تین منٹ کی ملاقات نے دو سال کے عرصہ کا کام کر دیا یعنی اس عرصہ کے دو سال بعد تک حضرت جی سے دوبارہ ملاقات نصیب نہ ہوئی مگر اللہ اللہ کے نام نے کام بنا دیا۔

ہم نے پہلی ملاقات پر ہی اپنی دیرینہ رنجش کا اظہار کر ڈالا کہ آخر عورت غریب کو مولویوں کے اسلام میں اس قدر گھٹن کا ماحول کیوں نصیب ہے کہ اپنے عورت ہونے پر دکھ ہوتا ہے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "اچھا بھئی! یہ تو آپ سے سنتے ہیں عورت کا یہ حال و نقشہ وگرنہ ہمارے ہاں تو کچھ اور ہی حال ہے۔ ہم نے دیکھا ہے جن گیارہ بچوں کو یہ ایک غریب کمزور عورت سنبھال لیتی ہے ہم گیارہ طاقتور بندے مل کر بھی ایک بچہ نہیں سنبھال سکتے اور باقی رہی بات آپ کے الجھے ہوئے سوالات و خیالات کی تو جائیں رب کے دروازے پر اس کا نام لے کر دستک دیں اگر اندر ہوا تو خود ہی دل کا دروازہ کھول دے گا اور آپ کے ہر سوال کا جواب از خود مل جائے گا۔"

اور یوں ہم پہلی مرتبہ ذکر پاس انفاس سے روشناس ہوئے۔ مگر ہم یہ سبق جلد بھول گئے اور دوسرے شہر (CLEVELAND) کلیو لینڈ شفٹ ہو گئے۔ ہمارے سبق بھول جانے سے کیا ہوتا ہے ڈاکٹر عظمت کو تو یاد رہتا ہے اور امریکہ جا کر بھی دن رات لوگوں پر محنت کرتے ہیں۔ انہوں نے ہماری ایک ہفتہ خوب تربیت کی جو آج تک ہمیں بندہ بنائے ہوئے ہے۔ یوں ۱۹۹۰ء میں پاکستان جا کر حضرت جی سے ظاہری بیعت سے فیض یاب ہوئے۔

۱۹۹۱ء میں جب حضرت جی امریکہ تشریف لائے تو ہم نے تقریباً" سو بندوں کا ہال بک کروا رکھا تھا۔ اس شہر کے بعض پاکستانی تو امریکیوں کو بھی مات کر گئے تھے۔ سو ڈالر کی ٹکٹ خرید کر گانے بجانے کی محفل میں جانے والے یہ پاکستانی مسلمان مفت کا یہ اسلامی شو دیکھنے نہ آ سکے اور صرف پندرہ یا بیس لوگ تھے۔ ہماری پریشانی دیکھ کر حضرت جی نے فرمایا۔ "کیوں پریشان ہو۔ کوئی بات نہیں اگر سو لوگ نہیں آئے۔ ہمیں تو کام سے مقصد ہے اگر ایک بھی آیا تو اسے سو ہی شمار کریں گے ہو سکتا ہے اسی ایک کو ہدایت نصیب ہو پھر سو بلا کر واہ واہ تو نہیں کروانی۔ مقصد بندے تیار کرنا ہے اور مزدوری رب سے لینی ہے۔

"AND DONT SEE THE QUANTITY BUT QUALITY."

شیخ کی اس ہدایت نے زندگی کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ تین سال کا عرصہ اس شہر میں گزارا اور اسی سوچ کے مد نظر کام ہوا جو سب بزرگوں کے ہاں ایک ہی ہے۔

مالی دا کم پانی دینا' بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا' لاوے بھاویں نہ لاوے

اس راستہ میں مصائب کا سامنا کرنا ایک کھلی حقیقت ہے پھر کفر گڑھ کا شیطان تو اور بھی صحت مند ملا۔ خوب مسلمانوں کی ارواح نچوڑ کر جوس پیتا ہے۔

پاکستان کا قابل طبقہ اس ملک میں موجود ہے اور اکثریت غفلت میں شب روز بسر کرتی ہے۔ مگر جن پر اللہ تعالیٰ کی نظر پڑے ان پر برکات و انعامات بھی بے حساب ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ کشف و کرامات کے مسائل میں خود کو نہیں الجھاتے۔ ہر لحہ وجدان کی کیفیت میں گزرتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک پاکستانی ڈاکٹر صاحب نے ہماری دعوت کی جو کہ ہم سے بہت ہی عاجز آ چکے تھے۔ حرام (غیر ذبیحہ) ان کے ہاں پکتا تھا۔ ہمارے سامنے دو ڈونگے رکھے اور کہا یہ دونوں طرح کی مرغی کا گوشت ہے۔ ایک میں ذبیحہ اور دوسرے میں غیر ذبیحہ۔ آپ جو بہت صوفی اور حلال حرام کے چکر میں پڑے ہیں کیا بتا سکتے ہیں اس میں حرام کونسا ہے اور حلال کونسا؟

ہم نے اپنی اس توہین کو برداشت کرتے ہوئے بڑے آرام سے عرض کیا کہ جناب اس مرغی کا حال بھی آپ کی طرح ہے۔ اس وقت اگر آپ کے ساتھ کسی مشرک کافر کو کھڑا کر دیا جائے تو کون بتا سکے گا کہ ان میں کلمہ گو کون ہے؟ وہی مشرکانہ لباس' داڑھی مونچھ سے بے نیاز چہرہ ہاں مگر ایک فرق ضرور ہے اس غریب مرغی اور آپ میں۔ کہ یہ غریب اگر غیر ذبیحہ ہوئی تو صوفی کے معدہ میں جا کر ہضم نہ ہو سکے گی انشاء اللہ مگر آپ منافقت لئے ہوئے جب اسلام کے پیٹ میں گھستے ہیں تو ہزاروں کے دل بیمار ہو جاتے ہیں۔

۱۹۹۴ء میں دوبارہ حضرت جی کی آمد سے اس شہر کے کافی لوگ الحمد اللہ فیض یاب ہوئے اور جن کو توفیق نہ تھی وہ ہمارے راہ راست پر آنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ ایک انڈین P H D ڈاکٹر صاحب کو اسلام کی خدمت کا بہت زعم تھا۔ ہم ان سے ذکر کے بارے میں شرک و بدعت کے الفاظ سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ ایک روز کسی ساتھی کے داڑھی رکھنے پر ان کو بہت اعتراض گزرا جو بد نصیبی سے ان کا داماد بھی تھا۔ خود بغیر داڑھی کے عالم تھے۔ بولے داڑھی رکھ کر کیا ایمان میں زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے؟ اس طرح تو یہود و انصار میں داڑھی کا عام فیشن و مذہب ہے وغیرہ اور خوب دلائل دیئے۔

ہم جاہل ٹھہرے۔ ہم نے کہا جناب اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کوئی شے بلا مقصد نہیں رکھی۔ عورت کے چہرے پر تو داڑھی مونچھ اللہ نے نہ لگائی مرد کو لگا دی تو اس کا مطلب ہے مرد کا حسن اسی میں ٹھہرا۔ اب اگر آپ اس کو منڈوا کر حسین بنا چاہتے ہیں تو نہ آپ عورت میں اور نہ مرد میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک درمیانی مخلوق ہے ان کے ہاں ایسے چہرے پائے جاتے ہیں۔ یوں تین سال کا عرصہ اس شہر میں گزارنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں شہر (بالٹی مور) BALTIMORE شفٹ ہو گئے جو واشنگٹن کے قریب واقع ہے۔ یہاں کے مشہور ہسپتال JOHN HOPKINS کو JOIN کیا۔ یہاں پر ہی پاکستان کے نامور وزیر اعظم محمد خان جونیجو BIXBY JOHN کے نام سے فوت ہوئے تھے۔

کسی ملک یا شہر چلے جائیں لوگ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ سب منحصر ہے اس پر کہ بندہ کام کس جذبے اور محنت سے کر رہا ہے اور پھر نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اس شہر میں بھی بڑے سر پھرے ملے۔ ۱۹۹۳ء میں جب حضرت جی تشریف لائے تو بہت سے خوش نصیب فیض یاب ہوئے۔ الحمد اللہ اور جن کے نصیب میں یہ دولت نہ تھی وہ عقل کی گتھیاں ہی سلجھاتے رہ گئے۔ ان میں ایک صاحب اچھے خاصے پڑھے لکھے ایک روز گویا ہوئے کہ جناب چونکہ آپ کا ایسے شیخ پر یقین اس قدر مضبوط ہے کہ آپ انہیں ولی اللہ کہہ رہے ہیں مگر مجھے کیا ثبوت مل سکتا ہے اس بات کا کہ یہ شخص واقعی ولی اللہ ہے؟

ہم نے کہا جناب آپ کے پاس تو یہ ثبوت تک نہیں کہ آپ کا باپ کیا واقعی آپ کا ہی باپ ہے۔ اس کا کیا ثبوت دیتے ہیں آپ ہمیں؟ وہ بوکھلائے گئے مگر ثبوت تو کیا جواب تک نہ ملا۔ ہم نے کہا عقلی دلیل دیں گے تو ماں کے کاغذ میں وہ ماں کا شوہر ضرور ہے مگر آپ کے باپ ہونے کا پھر بھی کوئی ثبوت نہیں سوائے اس کے کہ ماں سے بچپن سے سنتے آئے ہیں اور سارا زمانہ یہ بات کہتا ہے اور آپ کے دل نے گواہی دے دی کہ ابا جی ہمارے ہی باپ ہیں اور چلے ہیں آپ اولیاء کی ولایت کا ثبوت مانگنے۔

باتوں سے باتیں نکلیں تو ہم بہت کچھ لکھ گئے مگر اصل بات یہ ہے۔ جب ہم نومبر ۱۹۹۴ء کے المرشد کا مطالعہ کر رہے تھے تو سوالات و جوابات کے کالم پر نظر پڑی جس میں اس سوال نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا کہ غبار راہ میں تصاویر کیونکہ شائع کی ہیں۔

ہمارا آج کا مسلمان چاہے پاکستان میں رہتا ہو یا امریکہ تک چلا جائے وہ خود کو ان مسائل سے نہیں نکال سکا۔ جس میں ایک مسئلہ تصاویر کا ہے۔ تصاویر رکھنا بنوانا حرام ہے؟ جس گھر میں تصاویر ہوں وہاں فرشتے نہیں جاتے وغیرہ۔

کس قدر حساس مسلمان ہے آج کا کتنا خیال ہے نبی کی تعلیمات کا کہ فرشتوں کو گھر میں بلانے کے لئے تصاویر کے ساتھ اس قدر دشمنی کہ بحث برائے بحث میں زندگی کے قیمتی لمحات بیتے جا رہے ہیں جب کہ دوسرا رخ تو دیکھیں مومن کے دل میں جہاں اللہ اور اس کے رسول اور پیاروں، جان نثاروں کی تصاویر آویزاں ہونی چاہئیں تھیں۔ آج وہاں کفر و شرک، بدعت و ظلمت، کینہ و حسد، جھوٹ و بغض، منافقت، خود غرضی و بے حیائی، مکاری و عیاری الغرض ہزارہا اقسام کے بت اور تصاویر آویزاں ہیں۔ مگر کسی مولوی یا عالم کا اس کے خلاف کوئی فتوئ نہیں ملتا۔

جن گھروں میں تصاویر ہوں بے شک فرشتے نہیں آتے ہوں گے مگر کیا بے دین اور بے نمازی کے گھر فرشتے آتے ہیں حالانکہ اس نے ایک تصویر بھی گھر میں نہ رکھی ہو؟

کیا ہمارا ایمان اسقدر کمزور ہو گیا ہے کہ اللہ اللہ کے نام کی ضربوں کے باوجود غبار راہ میں ہمیں تصاویر سے آگے ایک مومن ہستی کے دکھی دل کی بات نظر نہیں آتی جو دیس دیس، نگر نگر صرف اس لئے بھٹکتا ہے کہ ایمان کے بکھرے ذروں کو سمیٹ کر ایک مضبوط قلعہ تیار کر سکے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں بن مانگے قیمتی خزانہ مل گیا ہے جن ہستیوں کی تلاش میں اللہ والوں نے سالوں صرف کئے اور پھر جا کر سینے روشن ہوئے۔ وہ ہستیاں اگر آج خود چل کر نور بانٹتی ہیں تو ہمیں بھلا کیا قدر ہو گی۔ بھلا سمندر بھی خود چل کر پیاسوں کے پاس آیا ہے؟ مولانا محمد اکرم بھی عجیب انسان ہے نہ کسی سے چندہ مانگتا ہے نہ اپنے دکھ و تکلیف کا اظہار، تھکاوٹ و بے وطنی کا احساس آخر کیا غرض ہے اس ہستی کو جو اتنا دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سینے میں جو تصویر آویزاں ہے اس کے رنگ تو ارض و سماں میں نہیں سما پا رہے تو اس غریب مولوی کے فتوے کا وہاں کیا گزر؟

بقیہ : ابلیس کے بچاری

کمزور اور بے بس رکھ کر انسان کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ صرف انسانی فیصلے کے ساتھ مشروط کر دیا کہ زبردستی اس پر پہرہ نہیں بٹھایا لیکن جو اپنے آپ کو اس کی حفاظت میں دے دے۔ اس کی پوری نگہداشت کا ذمہ اس نے خود اپنے ذمے لیا ہے کیسا کریم ہے اور کتنا کریم ہے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ کہا تھا کہ کسی نے کہ۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اللہ کریم ہمیں توفیق عمل عطا فرمائے۔ ہمارے گناہوں کو، خطاؤں کو معاف فرمائے یقین کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اسلام پر نیکی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

انقلاب کا نبوی ﷺ طریقِ کار

(آج خلافت قائم ہو تو کیسے؟)

چودھری رحمت علی

طریقہ ہائے حصول اقتدار

تاریخ انسانی میں اقتدار حاصل کرنے کے کم و بیش پانچ طریقے اپنائے گئے ہیں۔ پہلا طریقہ وہ ہے کہ جس میں ایک طاقتور گروہ اپنے لیڈر کی سربراہی میں اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے۔ کسی ملک کی فوج کا اقتدار پر قابو پانا یا کسی بیرونی حملہ آور کا کسی دوسرے ملک پر قابض ہونا اسی طریقے کی مثالیں ہیں۔ دوسرا طریقہ بذریعہ سازش اقتدار حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ یہ سازش کسی ملک کے اپنے باشندوں کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور کسی دوسرے ملک کی طرف سے بھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک وقت پر ہندوستان پر قابض ہونا اور حالیہ وقتوں میں اسرائیل کا فلسطین میں ڈیرے آ جمانا اسی کیٹیگری کی مثالیں ہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ وہ ہے جسے "انقلابی طریقہ" کہا جاتا ہے اور جس کے ذریعے اس دنیا میں کئی بڑے بڑے انقلاب لائے گئے ہیں' یہ طریقہ ہے بذریعہ سٹریٹ پاور (Street Power) اقتدار حاصل کرنے کا اس طریقہ میں کسی ملک کے باشندے اپنے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر خون خرابے کے ذریعہ اپنے حکمرانوں کو چلتا کر کے خود اقتدار سنبھال لیتے ہیں۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس اسی طریقہ کی روشن مثالیں ہیں۔ حالیہ سالوں میں انقلاب ایران اور فلپائن سے مارکوسی حکومت کا خاتمہ اسی طریقہ کا مرہون منت ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کا چوتھا طریقہ جسے قانونی اور جائز تصور کیا جاتا ہے بذریعہ انتخابات کا ہے۔

مذکورہ چار طریقے تو اکثر و بیشتر اس اقتدار کو حاصل کرنے کے ہیں جسے "اقتدار محض" کہا جاتا ہے یعنی جو کفار اور اللہ کے باغیوں کے ہاں بھی رائج ہیں۔ حصول اقتدار کا پانچواں طریقہ وہ ہے جو ایمان و صلاح سے مشروط ہے اور جس میں گارنٹی ہوتی ہے کہ اقتدار صرف اور صرف مومنین و صالحین ہی کو منتقل ہو۔ ایسے اقتدار کو شریعت کی زبان میں خلافت یا امارت سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوتا ہے۔ اس طریقے میں نصرت ایزدی کو بروئے کار لا کر کسی خطہ زمین میں عدل و قسط پر مبنی انقلاب برپا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے نصرت ایزدی کیسے حاصل کی اور قلیل ترین وسائل سے کیسے خلافت قائم کی' آئندہ صفحات میں دی گئی نگارشات کا مرکزی موضوع یہی ہے۔ جس کسی نے جب بھی خلافت قائم کرنی ہو تو اس مسنون طریق کار کو اپنائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

منہج انقلاب نبویؐ۔ خلافت قائم ہو تو کیسے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختصر ترین مدت میں عظیم ترین انقلاب لائے تو اسی طریقہ سے جو ہر مسلمان کے پہلے دائیں اور پھر بائیں کان میں اس کی پیدائش کے فوراً" بعد بتایا جاتا ہے اور جس کا مؤذن شب و روز کم از کم پانچ بار بلند آواز سے اعلان کرتا ہے۔ وہی طریقہ جو ایک نو مسلم کو مسلمان ہوتے سمجھایا جاتا ہے۔ وہی طریقہ جو لا الہ الا اللہ میں مضمر ہے یعنی نظام باطل کا بائیکاٹ تو نظام حق کی دعوت انکار طاغوت پہلے اقرار باللہ بعد میں۔ کوئی لاکھ کوشش کرے نظام باطل کی ایک آدھ روش ہی مان لی جائے کورا جواب اور دو ٹوک نفی۔ منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشتمل ہے تو بس اجتناب طاغوت اور دعوت الی اللہ پر۔ پھر ان دونوں کے نتیجہ میں لرزا دینے والی اذیت و ابتلا اور ایسی اذیت کے صلہ میں نصرت ایزدی پر۔ نصرت ایزدی میسر آ جائے تو انقلاب ---- نظام خلافت قائم۔

تفصیلات بعد میں پہلے ایک دو بنیادی باتیں نوٹ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کو کماحقہ نہیں سمجھا جا سکتا جب تک دو باتوں کا آغاز ہی میں ادراک نہ کر لیا جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہجرت مدینہ پر یہ انقلاب وقوع پذیر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد مدنی دور نبوت اور دور خلافت راشدہ میں جو جدوجہد ہوئی اور حقیقتاً" بھرپور ہوئی وہ استحکام و وسعت انقلاب اور غلبہ دین حق کے لئے تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو ایک پناہ گزین کی حیثیت میں نہیں' بطور حکمران وارد ہوئے۔ مدینہ کی نوزائیدہ و نوخیز اسلامی ریاست' خواہ کتنی ہی چھوٹی تھی ایک خود مختار ریاست تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے فرمانروا تھے۔ دوسری بات جو ذہن میں ازبر ہونی چاہئے' وہ یہ کہ مجموعی طور پر یہ انقلاب دو ادوار میں منقسم ہے' دور قیام خلافت اور دور دوام خلافت۔ دور قیام خلافت وہ دور ہے جس میں یہ عظیم انقلاب وقوع پذیر ہوا وار دور دوام خلافت وہ دور ہے جس میں اس لائے ہوئے انقلاب کو استحکام و وسعت نصیب ہوئی۔ بالفاظ دیگر مکی دور نبوت' قیام خلافت کا دور ہے تو مدنی دور نبوت بشمولی دور خلافت راشدہ دوام خلافت کا دور ہے۔ قیام خلافت اور دوام خلافت کے ان ادوار کو اس لئے ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہر دور میں اپنائی گئی حکمت عملی اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ آج کی دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے والے نوٹ کر لیں کہ انہیں دوام خلافت سے پہلے قیام خلافت کا مرحلہ درپیش ہے' ان دونوں ادوار میں اپنائی گئی حکمت عملیوں کو اگر باہم گڈمڈ کر دیا جائے۔ تو اسلامی انقلاب کا کوئی سوال نہیں۔

قیام خلافت اور دوام خلافت کی جدوجہد کا فرق

قیام خلافت اور دوام خلافت میں اپنائے گئے طریق کار میں کم از کم دو نمایاں فرق ایسے ہیں جن کا تذکرہ ضروری ہے۔

ا۔ دعوت بلا تشدد

پہلا نمایاں فرق یہ ہے کہ مکی دور نبوت یا دور قیام خلافت میں جہاد بالسیف نہیں ہوا۔ تلوار کا استعمال تو درکنار کسی مسلمان نے کبھی کسی دشمن کو تھپڑ تک نہیں مارا بلکہ گالی تک نہیں دی۔ قوت بازو کا استعمال قطعاً" ممنوع ٹھہرا۔ مسلمانوں نے مار ضرور کھائی اور حقیقتاً" خوب کھائی لیکن خود کسی کو نہ مارا۔ کمینگی کا مقابلہ شرافت سے کیا اور بدی کا جواب نیکی' بلکہ بہتر نیکی سے دیا۔ دور قیام خلافت میں اقدام کا کوئی سوال نہیں۔

خفیہ دعوت کے دور میں ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں کسی حملہ آور دشمن کے سر میں معمولی چوٹ آ گئی تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ساتھیوں کی تربیت میں کمی گردانا اور بلا تاخیر دار ارقم کو مسلمانوں کے لئے اجتماع و تربیت کا مرکز بنایا۔ دور دعوت میں ہی ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی سے اس کی گالیاں سنتے رہے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس موقع پر مسکراتے رہے۔ آخر کار جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو انہوں نے بھی جواباً" قدرے ترش بات کہہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھا نہ لگا۔ (لگتا بھی کیسے یہ تو قیام خلافت کا دور تھا) اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیچھے ہو لئے اور راستے میں ہی جا کر عرض کی کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے رہے اور جب میں نے جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے؟ فرمایا "جب تک تم خاموش تھے' ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کا جواب دیتا رہا مگر جب تم بولے تو فرشتے کی جگہ شیطان آ گیا' میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا۔"

یاد رہے وہ جہاد جو دور مکی میں ہوا محض بالقلب اور باللسان تھا' بالقوہ ہوا ہی اس وقت جب مدینہ میں ایک اسلامی ریاست' غیر اسلامی ریاستوں کے مقابلہ میں معرض وجود میں آ گئی۔

۲۔ انقلاب بلا انتخاب

دوسرا بڑا نمایاں فرق یہ ہے کہ دور قیام خلافت میں انتخابات کا کوئی سوال نہیں۔ دور نبوت' خواہ وہ مکی ہو یا مدنی میں انتخابات کا (ایک تو) اس لئے کوئی سوال نہ تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود امت میں موجود تھے' دور دوام خلافت کے دوسرے حصے یعنی دور خلافت راشدہ میں انتخابات ضرور ہوئے لیکن ایک تو یہ بات زور سے کہنے کی ہے کہ یہ انتخاب دور دوام خلافت میں ہوئے' دور قیام خلافت میں نہیں۔ دوسرے یہ انتخابات ہر بالغ فرد' ایک ووٹ کی بنیاد پر نہیں' اصحاب حل و عقد کی بنیاد پر ہوئے۔ اصل میں' جیسا کہ ہم ابھی ذکر کریں گے انتخابات اگر قیام خلافت کے دور میں ہوں تو بات بننے کی بجائے بگڑ جاتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح دور دوام خلافت میں نہ ہوں تو پھر بات بگڑ جاتی ہے۔ ملوکیت اسلام میں داخل ہوئی تو اس وقت جب انتخابات نہ ہوئے۔

کہا جا سکتا ہے کہ دور قیام خلافت میں اس وقت جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود امت میں موجود تھے تو ظاہر ہے کہ انتخابات کا کوئی جواز نہ تھا لیکن آج جب ہمیں قیام خلافت کا مرحلہ درپیش ہے تو انتخابات کرانے یا انتخابات میں حصہ لینے میں کیا قباحت ہے؟ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت انتخابات نہ کرانے کی ایک وجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود موجود ہونا تھا لیکن ایک اور بڑی وجہ جو تعلیمات قرآن سے ماخوذ ہے اور جو تاقیامت برقرار ہے' انتخابات کی نوعیت انعقاد ہے۔ واضح رہے انتخاب کے انعقاد کی تین سطحیں ہیں۔ پہلی سطح تو یہ ہے کہ انتخابات انسانیت کی سطح پر ہوں یا بالفاظ دیگر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی کل بالغ آبادی انتخابات میں حصہ لے۔ مسلمان اور غیر مسلمان کا ووٹ ہم وزن ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی یکسانیت جس میں یعلمون (عاقل) اور لا یعلمون) جاہل) برابر کا وزن رکھیں **ہوالعجبی** قرار دیتا ہے' چنانچہ قرآن میں آیا ہے۔

"ان سے پوچھو' کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہوتے ہیں۔ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔" (الزمر۔ ۹)

پھر قرآن میں بتکرار یہ بھی آیا ہے کہ انسانیت کی سطح پر اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی ہوتی ہے۔ "اکثر الناس لا یعلمون۔" دوسرے لفظوں میں بتلا دیا کہ جس نظام کی اٹھان انسانی سطح پر اکثریت کے ووٹوں پر ہو گی وہ ہمیشہ جاہلوں کو آگے لائے گا۔ اسی لئے رب کائنات نے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ "اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلے جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیں کرتے ہیں۔" (الانعام۔ ۱۶) پھر مزید تاکید کر دی کہ "ان

لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا جو لا۔علمون ہیں" (الجاثیہ۔ ۱۸) سو بات کی ایک بات کہ ایسے انتخابات کی جن میں مسلمان اور غیر مسلمان مل کر اور مساوی سطح پر انتخابات میں حصہ لیں، اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

انتخابات کی دوسری سطح یہ ہے کہ انتخابات میں صرف بالغ مسلمان ایک فرد، ایک ووٹ کی بنیاد پر حصہ لیں۔ اسلام ایسے انتخابات کو بھی جائز تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وہ اجڈ دیہاتی (بدوی) اور دانشور صاحب الرائے (اولی الابصار) کو برابر قرار نہیں دیتا۔ بالفاظ دیگر اسلام خود مسلمانوں میں ۔علمون اور لا ۔علمون کی تفریق کرتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے۔

"یہ بدوی کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور ان کے معاملہ میں اس امر کے امکانات زیادہ ہیں کہ (باوجود مسلمان ہونے کے) اس دین کے حدود سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے۔ اللہ سب کچھ جانتا اور حکیم ہے۔ ان میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جو راہ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اسے اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں ----" (التوبہ۔ ۹۷ ـ ۹۸)

پھر مسلمانوں میں تو نہ صرف منافقین بھی ہوتے ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جنہیں قرآن یوں موسوم کرتا ہے کہ "وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہوتا ہے۔" (الاحزاب۔ ۱۲) پھر وہ مسلمان بھی جن کے اعمال ضبط ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کو شعور تک نہیں ہوتا۔ (الحجرات۔ ۲) ایسے لوگ بھی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (الانعام۔ ۱۵۹) پھر ایسے مسلمان بھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں اعلان کرواتے ہیں کہ "کہہ دو کہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔" (الشعراء۔ ۲۱۶) ظاہر ہے ایسے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ان اصحاب کو منتخب کریں جنہوں نے امت کی قیادت پر متمکن ہونا ہو۔

انتخابات کی تیسری سطح وہ ہے جس میں رائے دہی کا حق مسلمانوں میں سے صرف ان حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔ جنہیں قرآن اولی الابصار، اولی الالباب، اولوالعلم قائما بالقسط وغیرہ کے القابات سے یاد کرتا ہے اور جنہیں ہماری زبان میں اصحاب الرائے اور ارباب حل و عقد کہا جاتا ہے۔ یعنی اسلام رائے دہی کا حق ان چیدہ چیدہ افراد کو دیتا ہے جو خود قرآنی معیار اہلیت، ایمان، تقویٰ، صلاح، علم اور جسم پر پورے اتریں۔ صوبوں کے گورنر، وزراء، قاضی حضرات اور دوسرے کلیدی عہدوں پر فائز وہ تمام اصحاب جو خود قرآن معیار اہلیت کی چھلنی سے گزر چکے ہوں رائے دہی کا حق استعمال کر سکتے ہیں۔ دور خلافت راشدہ میں ایسے ہی افراد جو حقیقت میں اپنے اپنے حلقہ کار میں عوام کی نمائندگی کرتے تھے جب انتخابات میں حصہ لیتے تو قرآن کی وہ شرط کما حقہ پوری ہو جاتی، جسے اللہ کی کتاب یوں بیان کرتی ہے۔

"مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (ذمہ دارانہ مناصب) اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے، اور یقیناً" اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔" (النساء۔ ۵۸)

مختصراً" یہ کہ مندرجہ بالا تین سطحی طرز کے انتخابات میں سے اسلام صرف ان انتخابات کی اجازت دیتا ہے جو اہل الرائے افراد کی سطح پر منعقد ہوں۔ مزید غور کر لیا جائے تو اس طرح کے انتخابات کا انعقاد دور دوام خلافت میں تو ممکن ہے اور ضروری بھی لیکن دور قیام خلافت میں جب داعیان حق کی تعداد پوری آبادی میں آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے ممکن ہی نہیں۔ داعیان حق اگر سو فی صدی بھی حصہ لے کر آپس میں انتخابات کر لیں، نظام تو نہیں بدلے گا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت کہ جب دور قیام خلافت میں ارباب حل و عقد کا وجود ہی نہیں ہوتا تو ان کی بنیاد پر انتخابات کا کیا سوال؟ سو بات کی ایک بات کہ اسلامی نظام قائم کرنے

کا راستہ انتخابات نہیں ----- انتخابات ضرور درکار ہیں لیکن دور دوام خلافت میں، دور قیام خلافت میں قطعاً" نہیں۔

کتنے احمق اور کتنے بھٹکے ہوئے ہیں ہمارے ہاں کے وہ لوگ جو قیام خلافت اور اسلامی نظام لانے کا مرحلہ بذریعہ انتخابات سر کرنے کے درپے ہیں۔ ان کا تو یہی جرم اللہ کے ہاں ناقابل معافی ہے کہ وہ اس طریق انتخابات میں حصہ لیتے ہیں، جو درآمد کردہ اور لا -علمون کو ہم وزن قرار دینا' قرآنی معیار اہلیت کو درخور اعتناء نہ سمجھنا وغیرہ کہاں کا اسلام ہے؟ بے دینی کا راستہ اختیار کر کے اقامت دین کی امید رکھنا تو ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ شجر بویا ہی نہ ہو جس کا ثمر مطلوب ہے۔

یہ دو نمایاں فرق تو دور قیام خلافت اور دور دوام خلافت میں حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب ہم دو ایسے پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں جن پر عمل تو ہر دو ادوار میں لازمی ہے لیکن دور قیام خلافت میں ان کی اہمیت قدرے زیادہ ہے۔ بالفاظ دیگر ان پر عمل کئے بغیر بھی اسلامی انقلاب نہیں آ سکتا۔

دعوت الی اللہ ہی نہیں، طاغوت سے اجتناب بھی

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا دور قیام خلافت میں جب طاقت کا استعمال ممنوع ہے تو ایک لحاظ سے انقلاب کا وقوع محض دعوت و تبلیغ ہی سے ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے اگر کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ وعظ و نصیحت کرتے جاؤ اور ایک دن انقلاب برپا ہو جائے تو وہ بھول کا ہی نہیں "بڑی بھول" کا شکار ہے۔ حقیقت میں دعوت الی اللہ سے بھی پہلے اجتناب طاغوت لازم ہے۔ انقلاب کا یہ وہی طریق و فلسفہ ہے جو، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' لا الہ الا اللہ میں صد فی صد مضمر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہتے کہ "کہو لا الہ ال اللہ تفلحوا" تو حقیقت میں پورا فلسفہ اسلامی انقلاب ان کے سامنے رکھ دیتے۔ ہر نو مسلم کو یہ انقلابی کلمہ پڑھایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ جو انقلاب اسلام معاشرے میں برپا کرنا چاہتا ہے وہی ہر فرد میں خلافت معاشرے میں بعد میں قائم ہوتی ہے ہر ہر ایمان لانے والے میں پہلے۔ چار الفاظ کے اس کلمے میں "الا اللہ" بعد میں ہے اور "لا الہ" پہلے۔ اجتناب طاغوت پہلے ہے اور دعوت الی اللہ بعد میں۔ نظام باطل سے بائیکاٹ پہلے ہے تو نظام حق کی دعوت بعد میں۔ (دعوت الی اللہ اور اجتناب طاغوت کا اس قدر چولی دامن کا ساتھ ہے کہ قرآن میں اسے بار بار مختلف اسلوب میں بیان کیا گیا۔ ایک جگہ پر آیا۔

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اور اس کے ذریعہ سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔" (النحل۔ ۳۶)

دوسری جگہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔

"تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں' ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا۔ جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔" (ممتحنہ۔ ۴)

ایک اور جگہ پر دعوت الی الخیر کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی لازم قرار دیا۔

ان آیات کی رو سے لازمی ٹھہرا کہ اسلامی انقلاب لانے کے لئے دعوت و اصلاح اور اجتناب و برائت کا کام ساتھ ساتھ ہو۔ ضروری ہے کہ داعیان حق اس نظام باطل کا ممکنہ حد تک خود حصہ نہ بنیں جسے وہ نظام عدل و قسط میں بدلنا چاہتے ہیں۔ ممکنہ حد تک اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایک عرصہ تک اسی خانہ کعبہ میں نماز ادا کرتے رہے جس میں ۳۶۰ بت براجمان تھے۔ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک سرسری نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے اس نظام سے کہ جسے وہ بدلنا چاہتے تھے باصرار کنارہ کشی کی۔ اس سے اجتناب کی تاریخی مثال قریش کی ہے کہ سرداران قریش نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چند رعایتوں کے حصول کی خاطر اپنا بادشاہ بنانے کی پیشکش کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ "اگر سورج میرے سیدھے ہاتھ پر اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر بھی رکھ دیا جائے تو میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب فرما دے یا میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔" اس ٹھکرانے کی وجہ یہی تھی کہ اسلام کو یہ تک قبول نہیں کہ حق کی اگر ننانوے باتیں مان لی جائیں تو باطل کی کم از کم ایک بات مان لی جائے۔ ظاہر ہے مفاہمت و مصالحت کی صورت میں ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ہجرت کی تو حبشہ کی بجائے مدینہ جانے کو ترجیح دی حالانکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اس وقت مسلمان ہو چکے تھے۔ ایسا کرنے میں یعنی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں جو رکاوٹ تھی وہ یہی تھی کہ نظام حق اور نظام باطل کا ایک قدم ساتھ ساتھ چلنا ممکن نہ تھا۔ نبوت و بادشاہت میں کیا جوڑ؟

مشرکین مکہ نے لاکھ کوشش کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ "کچھ دو کچھ لو" کا معاملہ کر لیں۔ قرآن میں آیا۔

"پس اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ۔ وہ چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو وہ مداہنت کریں۔" (القلم۔ ۸ ۔ ۹)

"اور جب انہیں ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی امید رکھتے وہ کہتے کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔" (یونس۔ ۱۵)

آخر جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظام باطل کے ساتھ چلنے سے یک قلم انکار کر ڈالا تو قریش مکہ کم از کم مطالبہ (Minimum Demand) لے کر آ گئے۔ ابو طالب کی وساطت سے انہوں نے چاہا کہ "آپ کا بھتیجا ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے اور ہم اسے اس کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جس معبود کی عبادت کرنا چاہے بخوشی کرے، ہمیں اس سے کوئی تعرض نہیں مگر وہ ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرے اور یہ کوشش نہ کرتا پھرے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور قریش کے سرداروں سے فرمایا "آپ لوگ یہ سورج دیکھ رہے ہیں؟" انہوں نے کہا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس طرح سے یہ سورج آپ لوگوں سے اپنے شعلے روک لینے پر قادر نہیں اسی طرح میں بھی اس کام کو چھوڑ دینے پر قادر نہیں ہوں۔" یاد رہے ہجرت حقیقت میں مروجہ باطل نظام سے بائیکاٹ کی آخری اور حتمی صورت تھی۔

ان حقائق سے نتیجہ جو نکلا تو یہ کہ اسلامی انقلاب نہ انتخابات سے آتا ہے نہ جہاد بالسیف سے آتا ہے تو محض دعوت الی الخیر اور اجتناب بالطاغوت سے۔ ہمارے وہ مدعیان انقلاب اسلامی جو آج نظام باطل کا حصہ بن کر نظام باطل کے انتخابات میں حصہ لے کر، نظام باطل کی نوکری سے چمٹے رہ کر اور ٹی وی جیسے شیطان کو اپنے ڈرائنگ روم میں سجا کر اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں ذرا غور تو فرمائیں کہ ان کا سفر کس سمت میں ہے؟ قرآن و سنت کی مخالفت کر کے کیا ان کی حالت وہ تو نہیں جسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کر رہے ہیں۔" (الکہف۔ ۱۰۳ ۔ ۱۰۴)

ہم پوچھتے ہیں کیا طریق انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ وہ نظام باطل سے حتمی بائیکاٹ کرتے حتیٰ کہ اس کے آئین و عدالت سے مکمل لا تعلقی اختیار کرتے؟

۲۔ اذیت و ابتلا

اس میں میں کوئی شک نہیں کہ ایک آدمی کی ایک عادت کو بدلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ پھر ایک معاشرہ اور معاشرہ بھی وہ جو ہم عصر دنیا میں نچلی ترین سطح پر ہو، کی ہیئت و ترکیب کو "کلیتہً" بدل دینا تو لاکھ گنا مشکل ہوتا ہے۔ جمے جمائے نظام کب گوارا کرتے ہیں کہ کوئی جب چاہے انہیں ادھیڑ بکھیر کر رکھ دے۔ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا جو انبیاء علیہ السلام کو درپیش رہا ہے۔ سب سے بڑی مشکل جو حائل رہی ہے وہ یہ کہ حاملین نظام باطل اسے نظام حق سمجھ کر اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ نظام جو انہیں آباؤ اجداد سے ملا ہے کسی طور پر ناقص ہے۔ ایسی ہی صورت حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو واسطہ پڑا۔ جتنے بھی مشرکین کے وفود ابو طالب کے پاس آئے وہ انہیں زبان حال سے پکار پکار کر کہتے تھے کہ وہ کیسے اس شخص کو برداشت کریں جو ہمارے معبودوں کی برائی کرتا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے، ہماری جماعت میں پھوٹ ڈالتا ہے، ہماری عقلوں کو حماقت قرار دیتا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

بگڑے اور بپھرے ہوئے کفار و مشرکین سے نیکی کروانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا لیکن انتہائی کٹھن کام تو ان سے بدی کا چھڑوانا تھا۔ معاملہ محض ایک اللہ کو مان لینے کا ہوتا تو شاید وہ مان لیتے کیونکہ پہلے ہی کسی حد تک وہ اسے مانتے تھے لیکن یہ ان کو قطعاً" گوارا نہ تھا کہ وہ ان بتوں کو توڑ دیں جنہیں وہ خداؤں کی حیثیت دیئے بیٹھے تھے۔ مشرکین کے سینوں سے شرک کا پودا کاٹ کر توحید کا پودا لگانا خود مشکلات کو دعوت دینا تھا۔ پھر بڑے بڑے تیرتھوں اور مزاروں کے سرپرستوں کو کب گوارا تھا کہ کوئی ان کی گدیوں اور سجادہ نشینیوں کو چیلنج کرے۔ سرداران قریش سوچ تک نہ سکتے تھے کہ کوئی انہیں ان کی سرداریوں، قبیلہ پرستیوں اور شاہ زوریوں سے دست بردار کر دے۔ پھر ان کے لئے اللہ کی توحید کو تو ماننا مشکل تھا ہی، اس سے بہت زیادہ مشکل اپنے ہی شہر اور محلے کے ایک شخص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو ماننا تھا۔ قرآن ان کی نفسیات کو یوں بیان کرتا ہے۔

"اور یہ ظالم آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص آخر تم جیسا ہی ایک بشر تو ہے۔ پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے جادو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے۔" (الانبیاء۔ ۳)

"کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر ذکر نازل کیا گیا؟" (ص۔ ۸)

پھر من مانیوں، شہوت رانیوں اور مادر پدر آزادیوں کے دلدادہ مشرکین کو یہ کب گوارا تھا کہ وہ قرآن جیسے ضابطے میں کسے جائیں۔ ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جب انہیں یہ خبر دی گئی کہ ایک ان دیکھی طاقت ہر لحہ ہر فرد کے ساتھ ہے۔ آخرت پر ایمان لانا، حشر و نشر، جزا اور سزا اور جنت و دوزخ کا تصور انہیں کسی طور پر قبول نہ تھا۔ یہ عقیدہ تو ان کی مزاج و خصلت پر شدید وار تھا انہیں قطعاً" گوارا نہ تھا کہ وہ کسی ایسے ضابطے کو مان لیں جو ان کے ہاتھ باندھ کر رکھ دے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جتنے ہتھکنڈے ان کے پاس تھے ان میں سے موثر ترین حشر و نشر اور جزا و سزا کا استہزاء کرنا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے۔

"ہم بتائیں تمہیں ایسا شخص کہ جو خبر دیتا ہے کہ جب تمہارے جسم کا ذرہ ذرہ منتشر ہو چکا ہو گا تو اس وقت تم نئے سرے سے پیدا کر دیئے جاؤ گے۔ نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام پر جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون لاحق ہو گیا ہے۔" (سبا۔ ۷ ۔ ۸)

ایک اور مشکل جس کا مشرکین مکہ کو سامنا تھا یہ تھی کہ ان کے اپنے بھائی بند، بیٹے، بیٹیاں اور رشتے دار، گھر بار

اور ہر رشتہ تیاگ کر ایک ایک' دو دو کر کے بتدریج مدعیان انقلاب کے کیمپ میں جا رہے تھے۔ عجیب اور متحیر کن صورت حال پیدا ہو چکی تھی کہ ان کے اپنے جگر کے ٹکڑے ان سے برسر پیکار ہو رہے تھے۔ زیر فلک تو جیسے مشرکین کی شامت آگئی وہ کیسے برداشت کرتے کہ کوئی اٹھے اور یوں ان کے مفادات کا قلع قمع کر دے۔ چنانچہ ہر مفاد پرست اسلامی انقلاب کے راستہ میں بھاری پتھر بن گیا۔ مذہبی پیشواؤں اور پجاریوں کو گدیوں کی' سرداروں کو اپنی سرداریوں کی' سود خوروں اور ساہو کاروں کو اپنی ساہو کاری کی' نسل پرستوں کو اپنی نسل پرستی کی' رسوم پرستوں کو رسوم پرستی کی' بت پرستوں کو بت پرستی کی' اجداد پرستوں کو اپنی اجداد پرستی کی' غرضیکہ ہر مفاد پرست کو اپنے مفاد کی فکر لاحق ہو گئی۔ نیندیں حرام ہو گئیں' دن میں تارے نظر آنے لگا۔ وہ جو آپس میں لڑا کرتے تھے اس نئی تحریک کی مخالفت میں سب متحد ہو کر آہنی دیوار بن گئے۔ ظاہر ہے مخالفت میں جس قدر شدت تھی' مخالف کا مقابلہ کرنے والوں میں اتنی ہی بلکہ اس سے بڑھ کر برداشت و استعداد کی ضرورت تھی۔

مقابلہ میں کون تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ گنتی کے چند ہاتھ بندھے نفوس قدسیہ جنہیں کسی کے خلاف ہاتھ اٹھانا تو درکنار' سخت لہجے میں جواب دینے کی اجازت نہ تھی۔ پھر اسلامی تحریک میں شامل ہونے والے اولیں افراد میں سے اکثر و بیشتر تو غلام' لونڈیاں اور موالی تھے اور یا پھر خانوادہ قریش کے نوخیز چشم و چراغ۔ دونوں طرح کے یہ طبقات خود مختار نہیں' کسی نہ کسی طور سرپرستوں کے محتاج تھے۔ ان سرپرستوں نے اپنے زیردستوں کو اپنی سرپرستی سے کھسکتے دیکھا تو تلملا اٹھے۔ مظالم ڈھائے تو اتنے کہ ظلم کرنے والے کبھی کبھار خود نادم ہوتے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی داستان الم رہتی دنیا کے دنیائے کفر کو شرماتی رہے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار بار پیٹا گیا۔ اپنے گھربار اور گلی محلوں کو آسانی سے کون چھوڑتا ہے؟ لیکن اس دور میں تو مسلمانوں کو دو دفعہ ہجرت کر کے حبش جانا پڑا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوڑا پھینکا جاتا۔ ان کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ سجدہ میں جاتے تو ان پر گندگی اور جانوروں کی اوجھڑی ڈال دی جاتی۔ گلے میں کپڑا ڈال کر یوں مروڑا جاتا کہ آنکھیں نکل آتیں۔ طائف کے بازاروں میں انہیں لہولہان کیا گیا' مسلمانوں کا مقاطعہ کر کے دو چار دس دن نہیں مسلسل تین سال انہیں شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا۔ اس پر بھی جب مخالفین کو کامیابی نہ ہوئی تو چھچھوری اور ذلیل حرکتوں پر اتر آئے۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دلوانے کی کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات پر اظہار مسرت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیٹیوں کو ابولہب کے دو بیٹوں سے طلاق دلوا دی۔

جب یوں کرتے بھی بات بنتی نظر نہ آئی تو تحریک اسلامی کے خلاف بھرپور جھوٹ کی مہم شروع کر دی۔ ہر اس قبیلے کے پاس جاتے جہاں نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغرض دعوت و تبلیغ پہنچتے یہ تاثر دینے کے لئے کہ یہ ہم میں سے اچھا بھلا آدمی تھا لیکن (نعوذ باللہ) اب اس کا دماغ چل گیا ہے۔ قرآن کی آواز سنتے ہی شور مچاتے قرآن کو الٹے معنی پہناتے' نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دبی زبان میں کچھ کا کچھ کہہ جاتے۔ صبح ایمان لاتے شام کو مکر جاتے' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساحر و مجنون قرار دیتے۔ جب کسی طور دال گلتی نظر نہ آئی تو داعی حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی ختم کرنے پر تل گئے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ غرضیکہ انہوں نے کوئی ایسا

موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جس سے کہ اسلامی انقلاب کا راستہ رک سکتا تھا۔ زیر فلک اسلام کی مخالفت میں جو کچھ ان کے بس میں تھا کر گزرے۔

نصرت ایزدی حاصل ہوئی تو نوید انقلاب

اسلامی انقلاب کے دشمنوں کو گمان تھا کہ شاید وہ انضباطی کاروائیوں اور متشددانہ ہتھکنڈوں سے انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ روک لیں گے۔ ان پگلوں کو کیا خبر کہ اسلامی انقلاب کا راستہ ازل سے ہے ہی یہی۔ "زلزلوا" اور "متی نصر اللہ" کے مراحل کے بغیر وہ مرحلہ آتا ہی نہیں جسے قرآن "الا ان نصر اللہ قریب" کا نام دیتا ہے۔

ایک طرف مخالفین نے اپنی تمام توانائیاں' ذرائع اور وسائل اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں صرف کر دیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی جانفروشیاں اور قربانیاں رنگ لائیں۔ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت' بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ و خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی گئیں اذیتیں' حبشہ کی طرف ہجرتیں۔ شعب ابی طالب کی بھوک و ننگ۔ بس ایک ہی غرض کے لئے تھیں کہ کسی طرح نصرت ایزدی کا شکار کیا جائے۔ طائف میں بعد از خدا بزرگ توئی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون بہا تو ہوا کا رخ ہی نہیں تاریخ کا رخ تو اسی وقت بدل گیا۔ رہی سہی کسر ہجرت مدینہ نے پوری کر دی۔ جب اللہ کے بندے اس لئے گھر بار سے محروم کر دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے اللہ ہمارا رب ہے تو نصرت ایزدی رک نہ سکی۔ بارش کی طرح چھم چھم برسی۔ ہجرت مدینہ بظاہر تو بڑا دل دوز واقعہ لیکن حقیقتاً" اسلامی انقلاب کی نوید تھا۔ انقلاب آیا اور بہانگ دہل آیا۔

دعائے خلیل کی بدولت مکہ شہر امن تھا۔ اللہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی حرمت پر لفظ آئے۔ قیام خلافت کا دور ---- بغیر اقدام و تشدد کا دور تو یہیں مکمل کیا۔ دوام خلافت کے دور ---- اقدام و قتال کے دور میں سرداران قریش کو مکہ کی سرزمین سے نکالا تو اس طرح کہ پھر انہیں واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اسلامی انقلاب کا جو راستہ اختیار کیا گیا اسے کامیاب ہونا ہی تھا کیونکہ وہ رب کائنات کا وضع کردہ تھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ آج اسلامی انقلاب وقوع پذیر نہ ہو بشرطیکہ وہی مسنون طریقہ اختیار کیا جائے۔ نظام باطل سے ممکنہ حد تک بائیکاٹ' دعوت الی اللہ (تنظیم و تربیت دعوت الی اللہ کے بنیادی تقاضے) لرزا دینے والی اذیت' نصرت ایزدی اور بالآخر انقلاب ---- یہ ہے منہج انقلابات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(بشکریہ ماہنامہ "سبق پھر پڑھ")

خریدار توجہ فرمائیں
(پوسٹل کوڈ نمبر)

پوسٹ ماسٹر جنرل نے پابندی لگا دی ہے کہ ہر خریدار کے پتے پر پوسٹل کوڈ نمبر ہونا لازمی ہے۔ ورنہ رسالہ خریدار کو پہنچایا نہیں جائے گا۔ اس لئے ہر خریدار پر لازمی ہے وہ اپنا پوسٹل کوڈ نمبر فوراً" ہمیں لکھ بھیجیں۔ پوسٹل کوڈ نہ ہونے کی صورت میں ادارہ رسالہ نہ پہنچنے کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

ہر چیز یعنی حجر، شجر، چرند، پرند ذکر کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ادراک نہیں کرسکتے۔ جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی ہے قیامت نہیں آئے گی اور جب دنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک بھی فرد باقی نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ بقائے عالم کا انحصار بھی ذاکرین پر ہے۔

(حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ)

میری تنہا پرواز

جان محمد صقارین

کچھ عرصہ قبل میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ دیگر تنظیمیں اور سکول تو کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں کیوں نہ صقارہ اکیڈمی کے شاہین بھی اپنی کوئی چھوٹی موٹی پرواز پر اڑیں اور اپنے مسکن کے سفراء بن کر لوگوں کو اس کے بارے میں بتائیں۔

میں نے اپنے خیالات کا اظہار اپنے ایک دوست اسد اللہ گوندل سے بھی کیا۔ وہ بھی ساتھ ہوا اور ایک اور دوست حاجی محمد ندیم حمید بھی ساتھ ہوا ہم نے جو پروگرام بنایا وہ کچھ یوں تھا کہ۔

یہ سفر تقریباً" پانچ سو میل سے لے کر چھ سو میل تک کا بنتا تھا۔ اس سفر کو ہم نے بذریعہ سائیکل کرنا تھا۔ جب طے پایا تو ڈاکٹر عظمت صاحب کو دکھایا گیا۔ عظمت صاحب کے حکم سے اس میں رد و بدل ہوئی اور پروگرام کچھ زیادہ ہی پرکشش ہو گیا۔ اب پروگرام کچھ اس طرح کا بنا۔

اس کے بعد پروگرام عظمت صاحب کے پاس پڑا رہا۔

ہمارے بورڈ کے پرچے قریب ہی تھے۔ جن لڑکوں کو بھی پتہ چلا وہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہتے۔ جن لڑکوں نے ہماری زیادہ حوصلہ افزائی کی ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1 - عاطف افتخار
2 - طلحہ طارق
3 - یاسر امین
4 - حبیب الرحمن
5 - خلیق الرحمن

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ پروگرام میں تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جذبات بھی سرد ہونا شروع ہو گئے۔

ابھی کچھ دن گذرے تھے کہ ڈاکٹر عظمت صاحب نے ہمیں بلا کر کہا کہ حضرت شیخ المکرم نے یہ ٹرپ والا آئیڈیا پسند فرمایا ہے۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ ہمارے دل باغ باغ ہو گئے۔ ہمارے جذبے اتنے بلند ہوئے کہ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

جب کرنل مطلوب حسین تشریف لائے تو بحکم حضرت ہم نے ان سے رابطہ کیا اور اپنا پروگرام بتایا۔ کرنل صاحب نے ہمیں مختلف جگہوں پر کچھ لوگوں کے پتے دیئے۔ اب ہمارے حوصلے بلند تھے۔ ارادے پکے تھے۔

سعودیہ سے ایک کال:

ہمارے سفر پر سب سے پہلے ایک ٹیلیفون کال کا اثر پڑا۔ یہ کال ہمارے گروپ کے ایک ممبر کے والدین کی طرف سے تھی۔ وہ مئی کے مہینے میں پاکستان آ رہے تھے۔ حاجی محمد ندیم کو انہیں ریسیو (Recieve) کرنے کراچی جانا تھا۔ اب اسے گروپ چھوڑنا پڑا کیونکہ مجبوری تھی۔

امتحانات کے بعد:

امتحانات ختم ہونے کے ساتھ ہی میرے واحد ایک ہی ساتھی کو بھی کام پڑ گیا۔ اب میں اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ امتحانات کے فوراً بعد میں نے تیاریاں شروع کیں۔ صرف تین دن کے Stamina Check کے بعد ٹرپ پر روانہ ہوا۔

اسلام آباد صبح سویرے:

ارادہ تو صبح سویرے نکلنے کا تھا۔ لیکن ناشتہ وغیرہ کرتے کچھ دیر ہو گئی۔ روانگی سے پہلے ہی مجھے پتہ تھا کہ میں اکیلا ہی سارا سفر طے کروں گا۔ کسی کو بتائے بغیر میں نے پروگرام شروع کر دیا۔ اگر بتاتا کہ میں نے پروگرام اکیلے ہی کرنا ہے تو شائد اجازت نہ ملتی۔ لیکن چونکہ حضرت نے بھی پروگرام پسند فرمایا تھا تو اس لئے میں نے وہ پروگرام پورا کرنا اپنا فرض سمجھا۔

اسلام آباد سے روانگی:

اسلام آباد سے مری روڈ پر چل پڑا۔ راستے میں کئی لوگوں کی توجہ کا مرکز بھی رہا اور کئی نے نظر انداز بھی کیا۔ بہت مشکل سے چڑھائیاں چڑھنے کے بعد ایک دو جگہ پر آرام بھی کیا۔

سفر شروع جس دن کیا تھا اس دن بادل نہ تھے۔ گرمی بلا کی تھی۔ چڑھائی بھی بہت تھی۔ خیر اللہ کر کے میں اوپر مری تک پہنچ ہی گیا۔ اسلام آباد واقعی آباد ہے لیکن اسلام بہت کم ہے۔

مری تقریباً" عصر کے بعد پہنچا تھا۔ نمازیں پڑھتا آیا تھا۔ اب میرا حال بہت خراب تھا۔ جلد ہی ایک ہوٹل میں کمرہ لیا اور آرام کیا۔ مغرب پڑھ کر لیٹا اور کچھ دیر لیٹا رہا پھر باہر نکلا۔ کچھ کھا پی کر پھر سو گیا۔

اب صبح ہوئی نہ تھی کہ اٹھا نماز پڑھی اور نکل پڑا۔ تقریباً" نو دس بجے نتھیا گلی سے گزرا۔ اب اترائی ہی تھی تقریباً" نیچے آئیں تو بہت خوبصورت منظر ہے۔ بڑے بڑے درخت اور گھاس بھی ہے۔ بہت گھنا جنگل بھی ہے۔

راستے میں چنیو لفٹس بھی نظر آتی ہیں۔ ادھر تھوڑا نیچے آئیں تو بہت سے خوبصورت مناظر نظر آتے ہیں اور ان میں سے ایک ایبٹ آباد کا منظر بھی ہے۔ سڑک بل کھاتی جاتی ہے۔

ایبٹ آباد پہنچ کر میں سب سے پہلے کرنل سرور صاحب کے گھر گیا۔ ظہر کی نماز ادا کی چونکہ قریب ہی مسجد ہے۔ اس کے بعد کرنل صاحب کے گھر ہی کھانا کھایا۔ اس کے بعد میں اپنے ایک چچا کے گھر چلا گیا۔ رات ان کے گھر ہی گزاری اور صبح چل پڑا۔

(مری سے مظفر آباد۔ گڑھی حبیب اللہ۔ مانسہرہ کا سفر بوجہ تنہا پرواز اختیار نہ کیا۔ اس لئے مری سے نتھیا گلی اور وہاں سے ایبٹ آباد آ گیا۔)

حویلیاں سے پہلے ایک پل آتا ہے۔ اس کے نیچے بہت تیز پانی بہتا ہے۔ یہ پانی ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں کی پگھلی ہوئی برف ہے۔ جو کبھی اپنے اونچے مقام پر تھی اور اب سطح سمندر سے بھی شائد نیچے جائے۔ بالکل آجکل کے حکمرانوں کی طرح۔ کبھی سیٹ پر تو کبھی جیل میں۔ یہی قدرت کا نظام ہے۔

پہاڑوں کے دامن سے گرتا ہوا پانی بہت چیختا ہے اور دھاڑیں مارتا ہے کیونکہ اس سے اس کا عروج چھن جاتا ہے اب ادھر کوئی اور آئے گا۔ لیکن اس جگہ تک آتے آتے خوب سمجھ جاتا ہے کہ میں انسان کی خدمت کے لئے ہوں اور رب کا حکم تو اسے ماننا ہی پڑتا ہے۔

جیسے بچے سے چمکیلی چھری چھینی جائے تو کچھ دیر تو شور کرتا ہے لیکن جلد چپ ہو جاتا ہے۔

کاش مسلمان بھی سمجھ جائے کہ "تم بہترین امت ہو کیونکہ تم دوسروں کے لئے جیتے ہو اور نیکی کی تبلیغ کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو صرف اللہ پر بھروسہ رکھ کر۔"

انسان بڑی عجب شے ہے جب پرواز پر جاتا ہے تو فرشتوں سے آگے لیکن جب انسانیت کے درجے سے گرتا ہے تو پھر درمیان میں نکتا نہیں بلکہ کتے اور سور سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔

سری، سری کوٹ اور تربیلا

اسی راستے پر چل کر حویلیاں سے کچھ نیچے سری کوٹ کو سڑک مڑتی ہے اس پر چل پڑا۔ سری سے پہاڑی شروع ہو جاتی ہے جو صرف بل کھاتی سڑک کو راستہ نہیں دیتی بلکہ وہ سڑک کچی ہے اور ٹائر پنکچر ہونے کا خطرہ بھی ہے۔ خیر سری کوٹ پہنچا۔ دھوپ سر پر کھڑی تھی پھر اترائی تھی۔ راستے میں چند تصاویر کھینچی لیکن خراب ہو گئیں۔ وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اب تربیلا نزدیک تھا۔ تربیلا پہنچا اور ایک دوست کے پاس گیا۔

ایک بات اور بھی کہ راستے میں میں نے تقریباً آٹھ دس لوگوں سے ملاقات بھی کی اور سب کو متعارہ کا تعارف کرایا اور ذکر الٰہی کی دعوت بھی دی اور ان کو Psycological دباؤ اور ذہنی پریشانیوں کا حل بتایا کہ اسے ذکر کے طریقہ سے کرنا ہے۔

جس دوست کے پاس ٹھہرا تھا وہ پہلے اکیڈمی میں پڑھتا تھا۔ اب تربیلا میں ہی پڑھتا ہے۔ اگلے دن وہاں سے کامرہ کی طرف روانگی ہوئی۔ اب پہلی بار سڑک ہموار اور مزیدار تھی۔ تربیلا سے ہٹیاں کے راستے کامرہ پہنچا۔ وہاں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس گیا۔

جہاں جہاں جس جس کے پاس جاتا اور کوئی بڑا سوال نہ ہوتا لیکن ایک سوال سب کرتے کہ اکیلے کیوں نکلے۔ اسی دن کامرہ سے نکل کر گاؤں پہنچا۔ یہ سڑک اس سے بھی پیاری لگی۔ چونکہ پچھلی سڑک پر بھی چھوٹے بڑے Cause Ways تھے۔

تقریباً" دوپہر کے بعد گاؤں پہنچا۔ گاؤں میں تقریباً" تین دن گزارے اور پھر چل پڑا۔

ان تین دنوں میں گاؤں میں لوگ ملتے رہے اور پوچھتے رہے سفر کے بارے میں اور پھر وہی بڑا سوال کہ اکیلے کیوں نکلے۔ خیر لوگوں کے سوالوں کے جوابات اور اپنی آپ بیتی سنا کر میں فارغ ہوا اور وہاں سے کہیں جان چھوٹی۔

گاؤں سے میں اٹک اور بسال کے راستے پنڈی کیمپ پہنچا۔ راستہ بڑا خراب اور دقت والا تھا۔ میرا تو پسینے سے جسم بھیگ گیا اور انرجی تقریباً" ختم ہو گئی۔ شام کے وقت پہنچا تھا۔ اگلے دن پھر پنڈی کیمپ سے چلا اور تلہ گنگ پہنچا۔ جہاں پر ایک پرانے ٹیچر رہتے ہیں۔ ان کے پاس قیام کیا اور چل پڑا۔ اسی شہر میں ایک دوست کے پاس بھی گیا اور ملاقات نہ ہو سکی۔ خیر اللہ کا نام لے کر آخری سفر کے حصے پر چل پڑا۔ اب جو آخری کام رہ گیا تھا وہ ایک اور استاد سے ملنا تھا۔ اس لئے ان کی طرف چل پڑا۔ ان کے گھر پہنچا تو ان کے والد صاحب ملے اور انہوں نے بیٹھنے پر مجبور کر دیا کہ ابھی استاد صاحب آ جائیں گے۔

باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ وہ بھی اسلام کے بارے میں بہت کتابیں پڑھ چکے ہیں اور ایسے لوگوں سے مل چکے ہیں جو اس سلسلے میں کچھ عالم فاضل بھی ہیں۔ یہ سن کر آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام ابھی بھی بہت سے لوگوں کو سیکھنے کا شوق ہے۔

جب بات تصوف کی طرف آئی تو انہوں نے کہا کہ تصوف جہاد سے بھاگ کر ایک ویرانے میں رہنے یعنی Escapism کا نام ہے۔ میں نے انہیں اپنے علم کے مطابق یہی بتایا کہ تصوف ایک ایسا فن ہے جس سے ظاہر و باطن کی صفائی ہوتی ہے اور جب یہ ہو جائے تو انسان کی طلب صادق ہو جاتی ہے اور جب طلب صادق ہو جائے تو انسان پھر تفرقوں کے چکر میں نہیں پڑتا بلکہ پھر اللہ بھی اس کی راہنمائی کرتے ہیں۔

چند باتیں اور بھی ہوئیں اس کے بعد 'سر' بھی آ گئے۔ اور ان سے مل کر میں چل پڑا۔ اب میرا آخری سفر تھا۔ یعنی سفر کا آخری مرحلہ تھا۔ راستہ جگہ جگہ خراب اور اونچی نیچی سڑک بڑا کٹھن راستہ لیکن اس سے مشکل راستہ تل گنگ سے پہلے کا تھا۔ تل گنگ سے تھوڑا ہی آگے گیا تھا کہ ایک بندہ میرے پاس موٹر سائیکل پر پہنچ گیا اور میری رفتار کے ساتھ چلتے چلتے مجھے بتانے لگا کہ وہ یہیں کا مقامی ہے اور اس طرح سے سائیکل پر اکیلے سیر کرنے نکلا اس نے پہلا بندہ دیکھا ہے۔ اس نے مجھے کھانا اپنے ساتھ کھانے کی پیش کش کی لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں نے ابھی آگے جانا ہے اور کھانا کھا چکا ہوں۔ آخر کار اکیڈمی پہنچا۔ عصر کے بعد کا وقت تھا۔ میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ڈاکٹر صاحب بھی اپنی دوڑ سے واپس آئے اور ان سے ملاقات ہوئی۔

سفر کا اختتام اور سب سے ملاقات

ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی اور چند لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ کرنل صاحب سے ملا جو کچھ عرصہ ہوا تھا۔ نئے پرنسپل بنے تھے اور کافی تبدیلیاں لائے تھے۔ کرنل صاحب نے اس ٹور Tour کو وقت کا فضول استعمال قرار دیا۔

ہماری اکیڈمی میں جو سب سے زیادہ تبدیلیاں آئیں وہ حافظ غلام جیلانی صاحب لائے تھے۔ سب سے اچھے ٹیچر، بہت اچھے ایڈمنسٹریٹر اور بہترین پرنسپل۔ وہ کبھی اپنے آپ کو پرنسپل نہ کہلواتے اور دیگر سکولوں کے بالعکس پڑھائی بہترین کراتے۔ ہماری اکیڈمی کے تمام اساتذہ بہترین ہیں اور پرنسپل تو سب سے بے مثال۔

حضرت سے ملاقات

اگلے دن حضرت صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ حضرت صاحب نے بڑی شفقت فرمائی اور اس کے بعد بہت سی کیفیات و برکات حاصل کر کے یہ پروگرام ختم ہوا۔

پروگرام ذکر حلقہ (اٹک)

ماہانہ ضلعی اجتماع	ہر ماہ کا دوسرا بدھ
بعد از نماز مغرب	گورنمنٹ کالج مسجد اٹک شہر
خالد برج و لید مسجد کامرہ کلاں	جمعرات بعد نماز مغرب
اویسیہ مسجد شین باغ خورد	جمعۃ المبارک بعد نماز جمعہ
بلال مسجد پنڈ دیکھیب	اتوار بعد نماز مغرب
اشرفیہ مسجد اٹک شہر	منگل بعد نماز مغرب

حضرت امام شاملؒ

چودھری افضال شوق

پندرھویں صدی کے وسط میں جب ترک یورپ میں فتوحات کے پرچم لہرا رہے تھے۔ وسط ایشیا کی مسلمان آبادی تیموری خاندان کی حکومت کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھی' جو ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے آپس میں زور آزمائی کرنے میں مصروف تھیں' قسطنطنیہ فتح ہو جانے کے بعد ساری عیسائی ریاستیں ماسکو کی حمایت حاصل کر چکی تھیں اور روم کے بعد ماسکو کو عیسائیوں کا دوسرا مقدس شہر مان رہی تھیں۔ ایوان سوم (۱۵۰۵ء - ۱۴۶۲ء) کی تخت نشینی کے وقت ماسکو کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ اس نے ۱۴۸۰ء میں نہ صرف مسلمان حکومت وقت کو جزیہ دینا بند کر دیا بلکہ نوگورد' ودیا تکا' اور تور پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۰۵ء میں ایوان سوم کی وفات کے بعد ایوان چہارم' جسے ایوان خوفناک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' تخت نشین ہوا۔ ایوان خوفناک نے تمام روسی عیسائی آبادی کو مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کے لئے اکٹھا کیا اور اس مقصد کی خاطر ۱۵۴۷ء میں مسلمانوں کے بڑے شہر کازان پر حملہ کیا۔ پہلی اور دوسری شکست کے بعد ۲۰ اگست ۱۵۵۲ء کو ایک لاکھ روسی فوج پوری تیاری کے ساتھ کازان کی طرف روانہ ہوئی' جہاں پر محمد خان کی حکومت تھی' جب روسی فوج کازان کی طرف بڑھ رہی تھی تو کریمیے کے مسلمان حکمران دولت گیری نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ماسکو پر حملہ کرنے کی کوشش کی' مگر بدقسمتی سے دولت گیری کی افواج کو تولا کے مقام پر روس کی تھوڑی سی فوج کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ ایوان خوفناک نے اس موقع کو اپنے لئے ایک نیک شگون قرار دیا اور پوری قوت کے ساتھ کازان پر حملہ آور ہوا۔ پہلے دس دنوں میں تاتاری شیروں کی طرح لڑے اور روسی فوج بھاری جانی اور مالی نقصان کے بعد پسپا ہوئی' گیارہویں دن ایک جرمن کی رائے پر روسی فوج نے شہر کے نیچے سرنگ کھود کر بارود بھر دیا۔ بارود کو آگ لگتے ہی آدھے سے زیادہ شہر ملیامیٹ ہو گیا' مگر پھر بھی روسی فوج ۲ اکتوبر تک حملے کرتی رہی اور آخر کار شہر روسی فوجوں کے ہاتھ لگا۔ روسی فوج نے کئی دنوں تک مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا' ہزاروں کی تعداد میں مسلمان لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر ماسکو لے جایا گیا' پڑوسی مسلمان قبائل آپس میں لڑتے رہے' کازان کے گرنے کے بعد آسترا خان اور کریمیے کی باری تھی' ایوان خوفناک نے کریمیے کے مضبوط بادشاہ کو مدنظر رکھ کر پہلے آسترا خان پر حملہ کیا۔ آسترا خان دریائے ورگا اور کیسپین سمندر کے درمیان ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست تھی' جب روسی فوج آسترا خان میں داخل ہوئی تو وہاں کا خان بغیر لڑے بھاگ گیا' آسترا خان پر قابض ہو جانے کے بعد روسی اب کوہ قاف پر حملہ آور ہو سکتے تھے' آسترا خان کے حملے کے سامنے صرف کریمیے کے خان نے

بند باندھنے کی کوشش کی اور ماسکو کا محاصرہ کر لیا، مگر ہر دفعہ بدقسمتی سے دولت گیری کو شکست ہوئی، آخر کار دولت گیری نے عثمانی خلیفہ سے مدد مانگی، مگر کسی نے دولت گیری کی بات سن کر روسی فوجوں کو روکنے کی نہ سوچی، بلکہ الٹا کریمے کو سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا لیا گیا۔

کریمے کی طرف سے ناامید ہو کر روسی فوج نے مشرق کا رخ کیا اور سائبیریا کی مسلمان ریاستوں پر قیامت برپا کر دی، ہر جگہ شہروں کو ملیامیٹ کر دیا۔ مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور جنہوں نے اللہ اکبر کہہ دیا انہیں قتل کر دیا گیا، روسی فوج نے قتل و غارت میں چنگیز خان اور تیمور لنگ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ ۱۷۱۱ء میں (Pierre Legran) نے ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور کریمے پر حملہ آور ہوا، مگر ترک فوج نے روسیوں کو شکست فاش دی، مگر بدقسمتی سے ترک اپنی اس فتح کے گن گاتے رہے اور کسی نے روسی فوج کا پیچھا نہ کیا۔ ۱۷۱۶ء میں ایک بار پھر روسی مشرق کی طرف حملہ آور ہوئے، اومسک اور کئی دوسرے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

۱۷۲۰ء میں روسی فوجوں کو کاذاکستان کے مسلمان قبائل نے تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی۔ یہ مسلمان قبائل آئے دن تاتاریوں کے حملوں اور ان کی وحشت سے تنگ آ چکے تھے۔ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ انہوں نے ایک بھیڑیئے کے منہ میں اپنا سر ڈال دیا ہے۔ دنیا الٹی ہو چکی تھی، اسلام کا جانی دشمن اب مسلمان قبائل کی حفاظت پر مامور ہو گیا تھا۔

کاذاکستان ۱۸۲۰ء میں پوری طرح سے روسی فوجوں کے قبضے میں چلا گیا، جب کہ "خان" اور "بیگ" آپس میں لڑتے رہ گئے۔ ۱۷۳۶ء میں روسی فوجوں نے ایک دفعہ پھر کریمے پر حملہ کیا، اب جب کہ سلطنت عثمانیہ یورپ کا مرد بیمار بن چکی تھی، روسی فوجیں کریمے میں اپنی من مانی کر سکتی تھیں۔

ان فتوحات کے بعد اب روسی فوجیں کالے سمندر اور کوہ قاف پر حملہ آور ہو سکتی تھیں، آسترا خان کی فتح کے ساتھ ہی روسی حکومت کی نظر کوبان سے لے کر تیرک تک کے علاقے پر تھی۔ ۱۷۲۲ء کو ہی روسی فوج نے دابند اور باکو پر قبضہ کر لیا تھا، ۱۷۶۲ء میں جیور جی روسی فوجوں کے ہاتھ چلا گیا اور ۱۷۸۳ء کی جنگ میں داغستان کا بھی یہی حشر ہوا۔

داغستان کی شکست کے ساتھ ہی کوہ قاف میں مسلمان قبائل کی ایک اور جنگ شروع ہو چکی تھی، جسے آزادی کی جنگ کہا جا سکتا ہے، سب سے پہلے امام منصور اشورما نے روسی ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی اور تمام مسلمان قبائل کو جہاد کی طرف راغب کیا، چے چن اور انگوچ قبائل نے امام منصور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے روسی فوج کو جگہ جگہ شکست دی، مگر بدقسمتی سے ۱۷۹۱ء میں مسلمان فوج کے مقابلے میں امام منصور کے مجاہدوں کو شکست ہوئی، امام صاحب شہید ہو گئے۔ اس جنگ کے بعد روسی فوج نے ایران کی طرف نظر اٹھائی اور شیروان پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۰۹ء کی جنگ میں عباس مرزا نے باکو کے سامنے روسی فوج کو شکست دی اور جنرل سیانوف کو قتل کر دیا، مگر ایرانی یہ جنگ مذاکرات کی میز پر ہار گئے اور معاہدہ گولستان کے مطابق شیروان باکو، کالا باغ گنج اور شکی روسی حکومت کو دے دیئے گئے۔ ۱۸۲۷ء کی جنگ میں روسی فوجوں نے ایروان اور پورے آذر بھائی جان پر قبضہ کر لیا اور ایرانی حکومت ہمیشہ کے لئے کمزور ہو گئی۔ ۱۸۲۸ء میں روسی فوجوں نے سلطنت عثمانیہ پر حملہ کیا اور دوسری طرف بالکان کی جنگ میں حصہ لیا، ۱۸۴۱ء کو حاجی لبرزاک آقا نے روسی فوج کو ایک زبردست شکست دی۔

کوہ قاف میں امام منصور سے شروع ہونے والی جہاد تحریک کو نقشبندیوں نے دوبارہ چلایا، ۱۸۲۰ء کے قریب نقشبندیوں نے غازی محمد یقور یاراک کی قیادت میں ایک تحریک شروع کی، جسے امام شامل صاحب جیسی قیادت نصیب ہوئی۔

حضرت امام شامل اٹھارھویں صدی کے آخر میں داغستان کے ایک گاؤں غمری میں پیدا ہوئے۔ آپ غازی محمد یاراک کی قیادت سے متاثر ہو کر ۱۸۲۰ء کو نقشبندی تحریک میں شامل ہوئے۔ آپ نے ۱۸۳۱ء کو روسی فوج کے گڑھ اور مضبوط قلع وضانیے پر قبضہ کر لیا' یہ خبر سن کر زار غصے سے سرخ ہو گیا اور فوراً" تحریک کے خاتمے کا حکم جاری کیا' چند ماہ بعد دس ہزار روسی فوجی ۱۰۰ توپوں کے ہمراہ غمری پر حملہ آور ہوئے' امام صاحب پانچ سو مجاہدوں کے ساتھ دس دن تک لڑے اور روسی فوج کی ایک نہ چلنے دی' گیارہویں دن جب کہ روسی توپوں کے گولوں سے سارا گاؤں ملیامیٹ ہو چکا تھا' صرف دو مجاہد روسی فوج کا گھیرا توڑ کر نکل سکے' ان میں ایک امام صاحب خود تھے۔

آپ ۱۸۳۴ء کو متحد ہو کر پھر منظر عام پر آئے اور پورے داغستان اور چے چن میں اپنا دبدبہ قائم کرنے میں کامیاب رہے' آپ نے مصر' ترکی' ایران اور انگریزوں کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی' ۱۸۳۷ء کو پانچ ہزار روسی فوج کو امام صاحب کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی' ۱۸۳۹ء کو روسی فوج پوری تیاری کے ساتھ واپس آئی اور آپ کے دارلحکومت آخونگو کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مگر اس دفعہ مجاہدین روسی فوج کا گھیرا توڑ کر نکل گئے اور روسی اپنا منہ دیکھتے رہ گئے۔ اگلے سال روسیوں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر کے علاقے میں کئی نئے قلعے تعمیر کئے اور یہ کوشش شروع کی کہ امام صاحب کے مجاہدوں کے لئے رسد لے کر جانے والے رستے روکے جائیں' مگر اس مقصد میں روسی پالیسی ناکام ہو گئی اور مجاہدین ہر جگہ فتوحات کے پرچم لہراتے رہے' امام صاحب نے نہ صرف نئے قلعوں پر قبضہ کر لیا' بلکہ بحیرہ کیسپین تک کے علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ ۱۸۴۵ء کو زار کے ایک رشتہ دار ورشکوف کو مجاہدین نے ایک زبردست شکست دی' اس جنگ میں پانچ ہزار سے زیادہ روسی فوجی کام آئے۔ یہ خبر زار کے دربار میں اس وقت پہنچی جب زار نپولین کو شکست دے کر خوشی کے ترانے گا رہا تھا اور پورے یورپ اور ایشیا میں کوئی طاقت روس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی' بھلا زار یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ چند سرفروش ایک ولی اللہ کی قیادت میں روسی فوج کی عزت مٹی میں ملا دیں' اب زار نے ہر صورت میں امام صاحب کی اصلاحی تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ۱۸۴۷ء کو دس بٹالین روسی فوج بھاری اسلحہ سے لیس ہو کر علاقے میں نمودار ہوئی غار غونیل کے مقام پر بدقسمتی سے مجاہدین گوریلا جنگ کرتے ہوئے دریائے سولار کے کنارے روسی فوج کے نرغے میں آ گئے' دریا کے کنارے چند سو سر پھرے سر پر کفن باندھ کر لڑے اور امام صاحب کی بے لوث قیادت کے نتیجے میں مجاہدین روسی فوج کی صفوں کو کاٹتے ہوئے نکل گئے۔

آپ نے پہاڑوں کے اندر جارکردون کو اپنا مرکز بنایا' روسی ایک اور جنگ کی تیاری کر رہے تھے' جب کریمے کی جنگ میں امام صاحب روسی فوج کے سامنے ایک اور محاذ کھول سکتے تھے' اس لئے آپ نے مصر اور استنبول کے والیوں کو ایک محاذ پر متحد ہو کر لڑنے کی اپیل کی۔ آپ کی یہ اپیل مصر کے بادشاہوں تک یا استنبول کے والیوں تک نہ پہنچ سکی' مگر یہ آواز زار کے دربار میں ضرور پہنچی اور زار نے اس تحریک کے خاتمے کے لئے پرنس ایک سنٹرر کو وائسرائے بنا کر روانہ کیا۔ پرنس نے سب سے پہلے پہاڑی راستوں کو صاف کیا اور زمین جلانے کا کام کیا یعنی گاؤں کو نذر آتش کیا گیا۔ آبادی کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا' جنگلوں کو نذر آتش کیا گیا تاکہ مجاہدین کہیں چھپ نہ سکیں۔ اپریل ۱۸۵۹ء کو ۴۰ ہزار روسی فوج نے ودن پر حملہ کیا اور توپوں کے گولوں سے پورے گاؤں کو ملیامیٹ کر دیا' مجاہدین ایک دفعہ پھر اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے شیروں کی طرح لڑے اور چند مجاہد روسی فوج کا گھیرا توڑ کر امام صاحب کو نکال کر لے گئے۔ اس جنگ میں امام صاحب خود بھی زخمی ہو گئے۔ آپ نے "کوسب" نامی گاؤں میں پناہ حاصل کی' مگر ایک ہفتے بعد روسی فوج نے گاؤں کا محاصرہ کر

کے لڑائی شروع کی' یہ لڑائی کئی ماہ تک جاری رہی' روسی ہر قیمت پر اس تحریک کا خاتمہ چاہتے تھے اور مجاہدین آدھا گاؤں تباہ ہو جانے کے باوجود آخری دم تک لڑنا چاہتے تھے۔ آخر کار اگست کے مہینے میں پرنس نے ایک اور چال چلی اور امام صاحب کو بات چیت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

امام صاحب کئی سالوں سے بے سرو سامانی کے عالم میں روسی فوج کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے' یہ امام شامل صاحب کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو تھا کہ آپ نے صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بڑی آزمائش میں ڈالا تھا' مگر آپ اور آپ کے ساتھی تقریباً" چالیس سال کی جنگ لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔ ایرانی اور ترک بادشاہوں کی ہٹ دھرمی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے اور زیادہ مسلمانوں کا خون ضائع کرانا مناسب نہ سمجھا اور روسی فوج کو اپنی شرطیں بتا دیں۔ اس معاہدے کے مطابق مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو گی' آبادی کے خلاف کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا اور آپ کے تمام ساتھیوں کی جان بخش دی جائے گی۔ ۲۱ اگست ۱۸۵۹ء کو روسی فوج کا بدترین دشمن اور عالم اسلام کا ہیرو سفید گھوڑے پر سوار بڑی شان سے روسی فوج کے سامنے سے گزر رہا تھا' پرنس الیک سنٹر نے آپ کو اپنی تلوار پیش کی اور روسی فوج نے آپ کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ آپ کے لئے یہ وہ مقام تھا کہ روسی بھی آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں' آپ ایک دیوار کی طرح تھے' جس نے روسیوں کو وسط ایشیا پر قبضہ کرنے سے روکے رکھا' آپ مسلمانوں کی حالت سے اتنے دکھی تھے کہ آپ پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ امام صاحب کے روپوش ہوجانے کے بعد کئی نقشبندی تحریکوں نے جنم لیا۔ امام صاحب کی قیادت میں لڑنے والے مجاہدین پھر سرکاس قبیلے کی قیادت میں لڑتے رہے' آپ کے بعد حاجی کونتا نے ایک تحریک چلائی' مگر چند سالوں بعد گرفتار ہو گئے۔

کوہ قاف میں امن بحال ہو جانے کے بعد روسیوں نے وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر نظریں گاڑ دیں' ۱۸۶۵ء کو کازاکستان سے جنرل چرنائف نے ترکستان کے مذہبی شہر چمکنٹ پر قبضہ کر لیااور چند ماہ بعد تاشقند کی باری آئی۔ روسی فوج نے بخارا کا رخ کیا' جہاں پر حیدر خان کی حکومت تھی۔ ۱۸۶۸ء کو سمرقند پر قبضہ کر لیا گیا۔ اسی سال روسی فوج سے شکست کھا کر حیدر خان نے اطاعت قبول کر لی۔

اب خیوا کے خان کی باری تھی' ۱۸۷۳ء کو روسی فوج نے خان کو اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر لیا' اس سال کوقند کے خان کی باری آئی اور روسیوں نے کئی شہر اور ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اسی سال ۴۰ لاکھ اور مسلمان روسی غلام بن گئے اور مسلمان آپس میں لڑتے رہ گئے' کچھ عرصے بعد روسی فوج دوبارہ حملہ آور ہوئی اور اس دفعہ قتل و غارت کا بازار کئی ماہ تک گرم رہا' ہزاروں کی تعداد میں لوگ ایران اور افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے' روسی ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بہو' بیٹیوں کو اٹھا کر لے گئے اور بیگ اور خان آپس میں لڑتے رہ گئے اور دونوں ہی سوچتے رہے کہ ہمارے دشمنوں کے دشمن ہمارے دوست ہیں' دوسری جنگ عظیم کے دوران ترک جنرل انوار نے آذر بائی جان اور آرمینیا پر قبضہ کر لیا' مگر انگریزوں کی جانب سے جب استنبول کو خطرہ پہنچا تو انوار کو دوبارہ یہ علاقے خالی کرنے پڑے۔ اسلام کے سرفروش آج بھی خالی ہاتھوں سر پر کفن باندھ کر کشمیر' فلپائن' فلسطین' بوسنیا' چے چن' جیورجی' آذر بائی جان' کریمے اور روس میں انصاف کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔

(بہ شکریہ روزنامہ پاکستان)

نوٹ:
رسالہ نہ ملنے کی صورت خط لکھ کر
دوبارہ رسالہ طلب فرمائیں
(شکریہ)

ایک نو مسلم کے بارے میں

ظفر احمد قریشی

اللہ تعالیٰ جب کسی پر مہربان ہو جائے تو اسے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی عطا فرما دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ نمولا یاد اگیری سری ہری کے ساتھ پیش آیا۔ ہندوستان کی ریاست حیدر آباد کا یہ باشندہ بحیثیت درزی 19 فروری 1991ء کو سعودی عرب کے شہر الریاض میں آیا۔ یہ ہندو تھا اور اس کا تعلق ہندوؤں کے فرقہ پرما شالی سے تھا۔ بقول اس کے اسے یہ ہوش سنبھالنے پر احساس ہوا کہ کائنات کا نظام کسی بہت ہی بڑی ہستی نے سنبھال رکھا ہے۔ وہ ہستی کون ہو سکتی ہے۔ اس کا اسے کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ باپ اور دوسروں لوگوں کی دیکھا دیکھی یہ اپنے مندروں میں بھی جاتا رہا اور وہاں رام کرشن کی تصویر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کچھ باتیں بھی کرتا رہا۔ یہ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہے۔ انگریزی آتی ہے۔ اس کا ذریعہ تعلیم کھنڈوا زبان تھی جو کہ کرناٹک' بنگلور کی مقامی زبان تھی۔

سعودی عرب میں یہ بطور درزی کا کام کرتا رہا۔ جہاں اس کی ملاقات اپنے ایک ساتھی فضل کریم صاحب سے ہو گئی۔ فضل کریم صاحب بھی وہاں پاس ہی درزی کا کام کرتے تھے' سری ہری کے ساتھ اور ہندو بھی تھے۔ فضل کریم صاحب نے ایک دن ان کی دکان پر آ کر اس سے پوچھا کہ "سری ہری کیا تم سکون سے رہ رہے ہو؟" اس کا جواب تھا کہ "نہیں۔" پوچھا "کیا سکون چاہتے ہو۔" تو اس نے فورا کہا "ہاں۔" چنانچہ ستمبر یا اکتوبر 1992 میں کسی دن فضل کریم نے اسے ذکر کرنے کا طریقہ بتایا۔ سری ہری نے بات پلے باندھ لی اور تھوڑا تھوڑا ذکر شروع کر دیا۔ اسے کئی طرح کے خواب بھی نظر آئے۔ جو اس نے فضل کریم کو سنائے۔ خواب میں اسے کوئی آدمی نظر آتا اور ایک بہت بڑی میناروں والی مسجد نظر آتی۔ کبھی کبھی اپنا میوزک کا سامان بھی نظر آتا۔ اس پر فضل کریم صاحب کو احساس ہوا کہ سری ہری نے ذکر تو شروع کر دیا ہے مگر شاید اپنی ہندوؤں کی کوئی کتاب بھی ساتھ پڑھتا ہے۔ پوچھنے پر اس نے تصدیق کی کہ وہ بھگوت گیتا (تلیگو زبان میں) پڑھتا ہے۔ اس پر فضل کریم صاحب نے قرآن پاک کا کچھ حصہ اسے ترجمہ کر کے پڑھنے کو دیا۔ تو سری ہری کو اس میں حقیقت محسوس ہوئی اور اپنی بھگوت گیتا اس کے مقابلے میں بے حقیقت۔ فضل کریم کے کہنے پر سری ہری نے بھگوت گیتا کو پڑھنا چھوڑ دیا۔ ذکر البتہ جاری رہا۔ فضل کریم صاحب اسے اپنی ذکر کی مجالس میں بھی ساتھ ساتھ لے کر جاتے رہے۔ اس عرصہ میں فضل کریم صاحب نے کبھی بھی سری ہری کو یہ نہیں کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔

تاہم کوئی ایک ماہ کے ذکر کے بعد ہی سری ہری نے فضل کریم صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ اس موقع پر چار گواہان بھی موجود تھے۔ اس کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا گیا اور سعودی قوانین کے مطابق اندراج بھی کروا لیا گیا۔ باقاعدہ اعلان سے پہلے فضل کریم صاحب نے سری ہری کو نماز' چھ کلمے' استغفار' درود شریف' دعا باقاعدہ یاد کروا دیں اور اس کا طریقہ یہ کیا کہ فضل کریم صاحب عربی الفاظ بولتے جاتے اور سری ہری انہیں تلیگو زبان میں لکھتا جاتا اور پھر صحیح تلفظ کے ساتھ یاد کرتا رہا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سری ہری کا نام عبدالرحیم رکھ دیا گیا۔

عبدالرحیم اب پکا نمازی ہے۔ اس نے عمرہ بھی کیا ہے اور روضہ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری بھی دی ہے۔ اس کا ایمان بڑا پختہ ہے کہ جب ہمارا اللہ' ہمارا رب ہے تو اس کی عبادت کیوں نہ کی جائے اور اب وہ اس قابل ہے کہ دوسروں کو بھی اپنی سطح پر کچھ نہ کچھ قائل کر سکے۔ میں نے اس سے نماز' التحیات' چھ کلمے' درود شریف' دعائے قنوت سنی ہیں۔ اس نے یہ سب چیزیں نہایت محنت سے یاد کی ہیں اور سناتے وقت اس میں بڑی خود اعتمادی ہوتی ہے۔

فضل کریم صاحب نے بلا شبہ ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ سری ہری کو عبدالرحیم بنانے میں بلاشبہ ان کا بہت ہاتھ ہے۔ نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس سے متعلقہ دعاؤں کا یاد کروانا خاصا محنت طلب کام ہے جو انہوں نے بڑی محنت اور دل سوزی کے ساتھ کیا ہے۔ اب انہوں نے الریاض میں عربی پڑھانے کا اہتمام کیا ہے جس میں عبدالرحیم کو ساتھ ملایا ہے۔ عبدالرحیم اب قرآن پاک پڑھنا سیکھ جائے۔ اللہ تعالیٰ فضل کریم صاحب کی کوششوں کو قبولیت بخشے اور جزائے خیر دے۔ آمین۔

عبدالرحیم کا دل اپنے عزیز و اقارب، بیوی بچوں، ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوسرے عزیزوں کے لئے بے چین ہے کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیں۔ اس نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اقرار کیا ہے کہ ہندو مذہب ایک بے کار شے ہے۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں کیا کرنا ہے۔ کس کو پوجنا ہے۔ کائنات کا بنانے والا کون ہے۔ اس کو چلا کون رہا ہے۔

اس نے اپنے والدین کو، اپنے اسلام قبول کرنے کا بتا دیا ہے جس کا ان کی طرف سے فی الحال کوئی رد عمل نہیں۔ اس کا خط ملنے پر انہوں نے صرف یہ لکھا کہ وہ لوگ بیمار ہیں لہٰذا واپس آ جاؤ۔

عبدالرحیم کے تین چھوٹے بیٹے ہیں۔ سعودی عرب آئے ہوئے کوئی پونے تین سال ہو گئے ہیں۔ اس لئے وہاں جانا چاہتا ہے مگر ان حالات میں، کیا اسے اس کے والدین، رشتہ دار اور دوسرے لوگ قبول کریں گے یا اس کا اسلام رہنے دیں گے؟ یہ ایک بڑا سوال ہے۔ تنگ نظر ہندو یہ سب کچھ کیسے برداشت کرے گا؟

شیخ کامل کی پہچان

۱۔ عالم ربانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

۲۔ صحیح العقیدہ ہو۔ کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں۔

۳۔ متبع سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو، کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

۴۔ شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت گمراہی ہے۔

۵۔ دنیا دار نہ ہو، کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

۶۔ علم تصوف و سلوک میں کامل ہو، کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے۔

۷۔ شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو اور کسی ماہر فن سے تربیت پائی ہو۔

۸۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں۔

بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟ خدا کے بندو! پہلے اتنا تو غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں، بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک ذریعہ ہے، مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تا کہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا آدمی تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان کیا ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔ (دلائل السلوک)

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد امین (ڈسکہ) کے ماموں وفات پا گئے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

property would be divided among the maternal relations like aunts. The details of this comprehensive topic can be seen in the books of Fiqhah. Here, only the prominetant aspects have been highlighted.

IMPORTANCE OF ALLAH'S LIMITS

These are the Divine Commandments and the limits are defined by Allah. The obedience of Allah and His Messenger (SAW) is the only key to paradise whose blessings are everlasting and its stay is eternal. This obedience does not comprise prayer and fast alone but encompasses every aspect of human life. People willingly adhere to worship but, while dividing the inheritance, try to devour the property under one pretext or the other. It should be remembered that the division of inheritance and the shares of various heirs have been ordained by Allah. Their whole heaad implementation is the only way to eternal salvation which is the supreme triumph. On the other hand and, those who Vulnoate the Divine Low, disobey and transgress Allh's limits would e doomed to the shameful and seternal torment of the Fire. Disgrace and insult of both warids would be their lot. (May Allah protect us). These laws of inheritance are not applicable to prophets. Their heritage does not comprise the material property but they leave behind a legacy of knowledge and spiritual excellence. No material heritage of the Holy Propher (SAW) was distributed. His legacy consists of his knowledge and spiritual blessings, which would coninue to be distributed among his rightful heirs till eternity. The entitlement to this heirship is the spiritual relations his based on faith and strengthened by obedience. The connection with the Holy Prophet (SAW) illuminates the hearts and enlightens the bosoms. The "Karamah" (the ability to show supernatural acts) of a will (saint) is actually the miracle of his Prophe which manifests itself at the hands of his devout follower. The material heritage is momentary and a decaying flower of this world, but the spiritual heritage is an everlasting treasure. The degree of spiritual nearness to the Prophet governs the relative share received by a follower from the excellence of prophentod. The effects of these blessings manifest themselves in fond love and comilot obedience of the Prophet (SAW). This condition is termed as "Fana fir-Rasool" (exhinerion of oneself before the Holy prohet) (SAW) by the sufis. These blessings are transferred from one bosom to the other an can be acquired in the company of spiritual masters. Allah may bestow as much of this treasure to anyone He likes.

دعائے مغفرت

① ہری پور (ہزارہ) کے ساتھی سعید عادل کی والدہ اور ہمشیرہ
② ہری پور (گرام تھوں) کے ساتھی راجہ فرحت زمان
فوت ہوگئے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی
درخواست ہے۔

to deprive the far relatives of their share of inheritance. Any legacy bequeathed for sinful purposes and prohibited acts would stand annulled. It would be appropriate to pay the debt on priority, supplement the will in one third of the property and distribute the rest between the heirs. It does not befit anyone on the deathbed, to prejudice the rights of others. Similarly it is not appropriate for the heirs to unequally distribute the property of the deceased who had to leave beund everything for them. The entire property actually belongs to Allah the All Knowledgeable. Although He is kind and Merciful and may not immediately grasp someone, but ultimately, OneDay, everything would be brought back before Him.

Mere blood relationship does not entitle anyone to inheritance. It is mandatory that both (the deceased and the heir) be of common faith. The Holy Prophet (SAW) is reported to have said, "No Muslim can inherit a disbeliever, nor can any disbeliever be the heir of a Muslim". If a Muslim renounces his religion, his wealth which he earned during Islam will be distributed among his heirs but the wealth earned as an will be deposited in the public treasury. In case of a woman her total estate will be distributed among apostate, her Muslim heirs. But an apostate, male or female can neither inherit from a Muslim nor from an apostate.

A murderer will be deprived of heirship, if he kills his father or someone from whom he could claim inheritance. This clause is applicable only to clause homicide.

If the deceased's wife is pregnant, the unborn child would also be considered a heir. Then, either the division be withheld till its birth or it should be so divided that the other heirs get the least share and the remaining property should be kept for the child.

If someone divorces his wife in his last disease and dies before she completes the waiting period prescribed for divovces women, she would be conisdered an heiress. Similarly, if the husband serves a revocable divorce while he was healthy, but expires before his wife completes the appointed term, then she would be taken as an heiress but if a woman herself seeks divorce, even in the last disease of her husband, she would cease to remain an heiress.

If some propetyy is left after payment of the lawful shares, it would be distributed among the parental relations like uncles. In the absence of

never be interpolated with personal opinions. As far as you your benefit is concerned, the Omniscience knows it better than you. The one who desired others to benefit from you can never ignore your interests. It is also for your good that He has Himself ordained the division of inheritance because your could never divide it equally and would have harmed yourself and others.

Up to this point, the laws of inheritance of blood relatons have been defined. From here onwards the marriage relations are mentioned. The husband would inherit half of the property left by his wife after the debt has been paid and the legacy bequeathed. The remaining half would be shared by the other heirs like parents, brothers and sisters. But if she had children, whether one or many, male or female, from the same husband or from a former husband, in all cases the husband would get one fourth and the remaining inheritance would be divided amongst other heirs. If the husband dies issuers then the wife will get one fourth of his property after the debt has been paid and the legacy bequeathed. In case he had children, no matter from which wife, the wife will get one eighth. In case of more wives all will equally wshate this one fourth or one eighth of the property. The remaining inheritance would be distributed among other heirs. The unpaid "Mahar" would also be considered as debt against the husband and paid accordingly, and this would not reduce the legal share of the wife in the inheritance. This is her right which must be separately paid to her.

ORDERS FOR A PERSON WITHOUT PARENTS AND CHILDREN.

If a man or women leaves neither parents, nor children and has a distant heir and a brother or a sister on the mother's side, then each of them would inherit one sixth. This is the unanimous interpretation of the Divine verse. If they be more than one, then they all would equally share one third of the inheritance after any bequest and debt. In this case, the male would not get twice the share of the female. According to Allama Qartabi, the male and female never get equal shares except in the case of uterine brothers and sisters (those on the mother's side). It is mandatory by the Divine Law to pay the debt and implement the will, provided the bequest does not destroy the right of any heir. If someone has neither parents nor children, it is not correct to squander the wealth with the intention

worthy of blame because they do not like to part with their lands. If all the heirs are females, their marriages as so arranged that the land remains in the possession of their parents. For this purpose, they are married to sterile or even imbecile boys. Islam does not allow this cruelty at any cost. If the descendants are all females, they will get two thirds of the property and one third will go to other heirs like wife, husband or parents of the deceased. If there is only one daughter, she would get half of the property and the other half will be shared by other heirs. In case the deceased has both ascendants and decedents, then each parent will get one sixth of the inheritance and the rest will be shared by the wife or husband and the children. In case there are no children or brothers and sisters, then the mother will get one third and the father two thirds of the entire property. If the deceased has a spouse then after his or her share, one third of the remaining property wood go to the mother and two thrid to the father. If, however, the deceased had no children but has brothers, sisters and parents, then the mother will get one sixth and the remaining five sixth will go to the father, if there are no other heirs. This means that the share of the mother will be reduced due to brothers and sisters, but they themslves would not inherit anything in the presence of their father. It is because the father is closer in relationship. The share of the mother would be reduced if the brothers and sisters are more than one, whether real or step. This division is from Allah the Gracious, because you do not know who among your parents and children, is of greater benefit and asset to you. Your opinion is of no significance because, everything belongs to Allah and He knows best who should receive the inheritance so that it is most beneficial for you and at the same time, the economic system is not disrupted. Human success lies in complete obedience to Allah. The economic system cannot be affected by the death of an individual, but whenever the Divine Law of inheritance is violated, the whole system would break down. It is like the blood running in the human body. If the arm blocks the blood because it is more important and does not let it reach the fingers, they would become numb and create a problem for the arm. The case of women is similar. If they are not given their due share, it would damage their financial position in the society and ultimately cast its adverse effects on men. The Divine Commandments are full of wisdom and must be followed with complete sincerity for our own salvation. They should

due austerity, nor with extravagance. Then, all his debt must essentially be cleared, and if some property is still left, then his well should supplement in one third of his legacy. However, if nothing is left, there would be no inheritance. The will would only be honoured if it is not in opposition to the Divine Law, and there is no sin in its implementation. It would not be effected in more than one third of the property even if the deceased has bequeathed his entire legacy. In Europe, people deprive their heirs by bequeothing the entire legacy in favour of dogs and cats. Islam simply does not accept such bequests and declares it a great sin to deliberately deprive the heirs of their share. The whole world and all within it actually belongs to Almighty Allah. He granted us portion thereof we used it and the left over is distributed by Him according to His own Will. Only broad prin have been explained here, in a simple and easy way, for common indertanding. The precise details can be see in the books of Islamic Jurisprudence. After paying the debt, the bequest, if any, will be paid from one third of the property. If the deceased has left no will, the property would be divided amongst the relatives preferring the near relatives. over the far ones. Of course, the parents and the children are the closest relations. It is ordained that the male would get twice the share of a female, for example, if the property is to be distributed between one male and two females, it would be divided into four equal shaces. The male will get two shares and each female will get one share. The Holy Book has declared the female's share as the basic unit of division and has given its double to the male. Islam has compensated for the deprivtion of women by emphasizing the payment of their shceh. This payment is mandatory. They cannot be depried of their legal share of inheritance, on the plea that they have already received their is dowry. They is gifted to her by her parents by their own free choice according to their worly status. But inheritance is her right givien to her by Allah. Most of the people give nothing to their sisters, but out of fear of being disgraced, persuade them to unwillingly forego their shares which is extremely shameful behavior. It is also wrong to absorb the share of young girls as it becomes a denial of their legal rights and results in unlawfully acquiring the wealth of orphans, which is great a sin in itself. Such wrong prachias have been abolished by Islam. It is therefore obligatory to give the females their due share. Our land owners are particularly

come rich tomorrow and vice versa. The next verse compensates for such cases and ordains that if such relatives, who are not heires, or the orphans and the needy are present at the time of distribution of heritage, they should also be given some share and should not be totally deprived. They should be treated kindly and spoken to softly. It is a great favour if the paternal uncles and aunts give a portion of their share to their orphan nephew, his, they will receive double reward. Their kindness would not only console him but also give him some property. This way he may even get more share than some heirs. The Gracious Lord Himself is the Sustained. After all, who supports those orphhans whose parents leave behind nothing but debt? It is a very simple proposition which is being unnecessarily complicated by the modern legists.

THE QURANIC METHOD OF INSTRUCTION.

Islam reminds man of his death and the possibility of his leaving behind young children, therefore, he should treat the orphans who helplessly stand before him today, in the same manner in which he wants his children to be treated after him. He should treat them kindly, for he must fear Allah the Almighty, who is all powerful and can destin the same fate for him. Remember, whosoever greedily consume the wealth of orphans, is actually filling his belly with fire and very soon he would be cast into the fire of Hell. Some scholars dispute that this is only an example, but that is not correct. Every human action fetches two rewards simultaneously, one in each world. Hence as a result of this illicit gain his belly may be filled in this world, but as its actual reward is the Hereafter, his belly well be filled with fire. According to a Hadit, some people will rise on the day of resurrection in a state that smoke and flames would be coming out of their mouths, noses and ears. Although, this fire is not visible to the physical eyes, but it definitly casts its effects. Some people toss restlessly throughout their lives and are destined to doom after death. May Allah, the Gracious save us from His wrath and protect us against those deeds which earn the displeasure of our beloved creator.

THE DIVISION OF INNHERITANCE.

Allah, the Kind and Merciful, has defined the share of all the heirs in the property of the deceased. As a rule, his burial should be arranged first, neither with un-

Secrets and Explanations.

LAW OF INHERITANCE.

Although wealth is not insignificant, bt it is also not so important that one remains completly occupied in its acquisition and ignores the rights of others. It was a practice before Islam, that women and minor children did not inherit anything at all. Only the adult sons could manage some share, otherwise the entire wealth was usurped by other heirs. Then certain items like house, sword or armour were empted from division. Islam resolved this issue with wisdom and ordained that every male and female, young or old would inherit from the property of parents and relatives. Their share is apportioned by the Gracious Lord. Moreover, everything, big or small must be divided without exception. It is not necessary to obtain the consent of the recipient, who would automatically become the legal owner. After possession, he is permitted to gift his share to someone or distribute it according to his choice. Parental relationship and near kinship has been prescribed as the prerequisites for entitlement to inheritance. This includes all ancestral and marital relations. It is further qualified by "near kindred" that mere relationship is not sufficient to entitle someone to inheritance. It must be a close relationship and a far relation will not inherit anything in the presence of near relations. Of course, those of equal relationship, will all share the heritage according to the Divine decree. If this entitlement is not restricted and all relations are declared as heirs, the all mem bers of then human race, being of same ancestral lineage, would inherit from one another.

A man sent a message to Caliph Amir Mawiyah (RAU), "Your brother is present outside and demands his share from such a vast empire". The Caliph called him and asked, "How do you claim to be my brother?". He answered, "we both are sons of Adam". The Caliph gave him half a Dirham. The man was surprised, "Such a paltry share for the brother from such a big empire" he exclaimed. "Run away, " replied the Caliph, "If all other brothers demand their share, you won't get even this". This would have been the situation in the absence of definite rules. It was thus ordained that far relations cannot inherit in the presence of near kindred. Therefore, a grandson cannot inherit in the presnce of his uncle, whether his own father is alive or not. Even poverty is not a qualification for heirship, because it is not possible to ascertain who is more needy. Todays poor may be-

تصوّف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے، اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضائے الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

(دلائل السّلوک)

MONTHLY AL - MURSHED
Reg. No. L8607

P

دستاویزی ویڈیو

حضرت جیؒ کے حالاتِ زندگی پر مبنی دستاویزی ویڈیو دستیاب ہے۔ ہدیہ ۔/٢٠٠ روپے

حضرت المکرم مدظلہ العالی کے حالاتِ زندگی پر مبنی دستاویزی ویڈیو تیار ہے۔ ہدیہ ۔/٢٠٠ روپے

منگوانے کا پتہ:۔

احمد نواز: دارالعرفان سب آفس نور پور ضلع چکوال

اویسیہ کتب خانہ: اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

AWAISIA SOCIETY, COLLEGE ROAD, TOWNSHIP
LAHORE : CODE 54770
Phone: 84490

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجِم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو،وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔
9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ،ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔
آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255